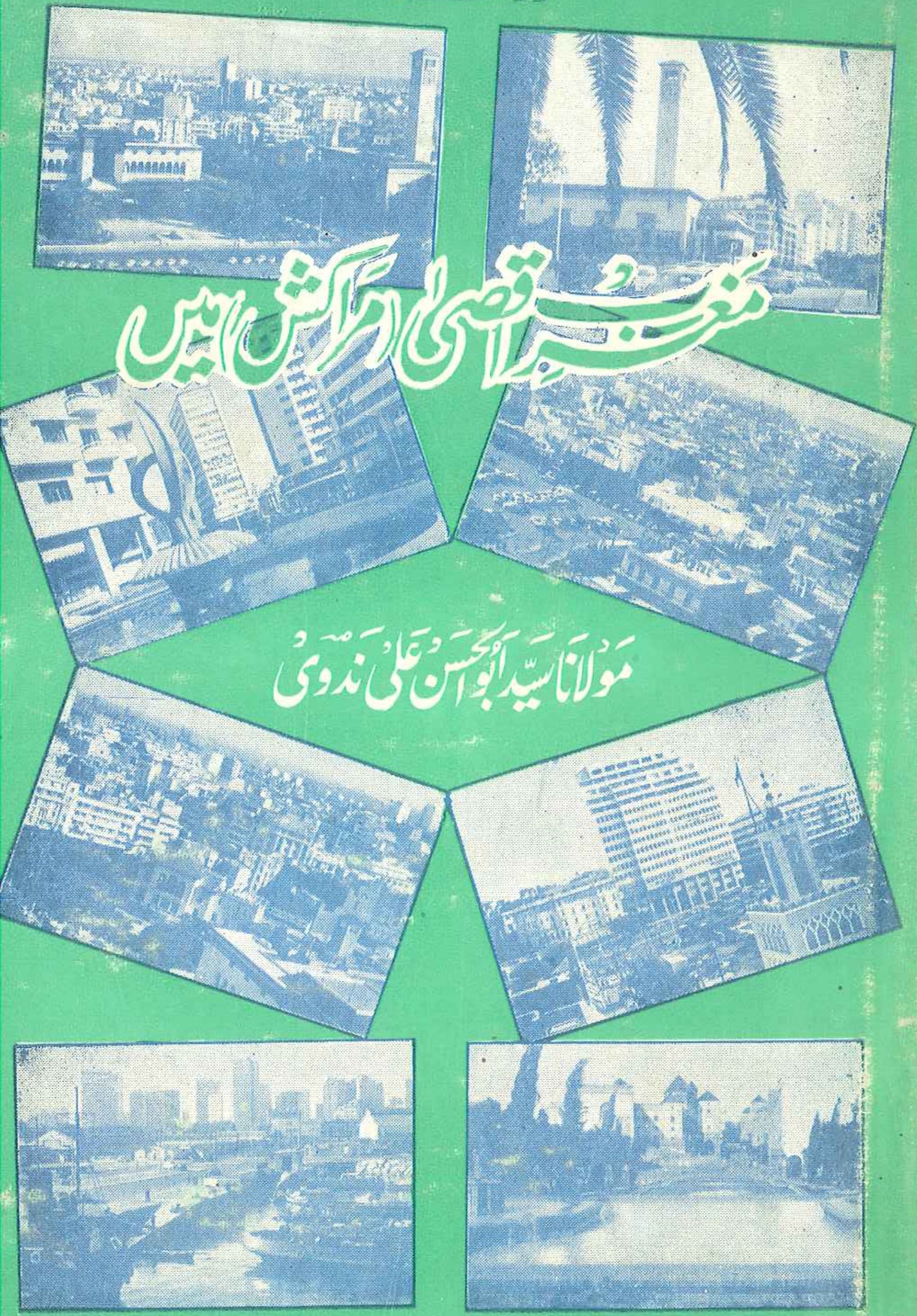
دو ہفتے

مغربِ اقصیٰ (مراکش) میں



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

دو ہفتے

مغرب اقصیٰ (مراکش) میں

یعنی

سفر مغرب اقصیٰ (مراکش) کے تجربات
تاثرات، مشاہدات، جذبات وکیفیات

از

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

مع

پیش لفظ از مولانا عبد السلام قدوائی ندوی مرحوم
ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ

و مفصل تاریخی جائزہ
از
مولوی شمس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات
و نشریات اسلام

مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ

بارِ دوم

کتابت ——— منور علی متعلم دار العلوم ندوة

طباعت ——— جے کے پریس دہلی

کل صفحات ——— ایک سو اکیس ۱۲۱

قیمت ——— دس ۱۰ روپئے

باہتمام

عتیق الرحمن طیبی

طابع وناشر

مکتبۂ فردوس مکارم نگر برولیا لکھنؤ

مقدمہ

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی[۱]

تقریباً ساٹھ برس ہوئے اس وقت میری تعلیم اردو کے ساتویں درجے سے آگے نہیں بڑھی تھی اتفاقاً ایک عزیز کے یہاں ڈاکٹر اقبال کا شکوہ نظر آیا۔ مشکل کتابوں کے سمجھنے کی استعداد بھی بہت کم تھی لیکن کتاب خوانی کی عادت ایسی تھی کہ جو کتاب نظر آجاتی اسے الٹ پلٹ کر دیکھے بغیر چین نہ آتا، ڈاکٹر اقبال کے نام سے واقف تھا اپنی نصابی کتاب میں ان کی نظم "نیا شوالہ" اور "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" پڑھ چکا تھا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

والا ترانہ بھی کئی بار کان میں پڑ چکا تھا۔ ڈاکٹر اقبال کا نام دیکھ کر فوراً شکوہ کی ورق گردانی شروع کر دی، سمجھا تو زیادہ نہیں مگر ان کے شعر گنگناتا رہا اور مزے لیتا رہا۔ اس سلسلہ میں جب یہ شعر پڑھا۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

تو بڑا ہی لطف آیا۔ چھوڑے اور گھوڑے کی صوتی ہم آہنگی ایسی بھلی معلوم ہوئی کہ بار بار اس شعر کو دہراتا رہا۔

اس وقت تاریخی مطالعہ تو کچھ ایسا تھا نہیں کہ میں اس شعر کا مطلب

۱؎ افسوس ہے کہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ (   ) کو مولانا نے انتقال فرمایا اور یکم شوال المکرم ۱۳۹۹ھ کو متصلاً بعد نماز عید اپنے وطن میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

سمجھ لیتا، بس ایک شاعرانہ تخیل اور لفظی طلسم سمجھ کر دل خوش کرتا رہا، اس واقعہ کے کئی برس بعد جب ندوہ میں داخل ہوا اور تاریخ اسلام کی کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوا کہ اس شعر میں محض شاعرانہ خیال آرائی اور قافیہ بندی نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے مشہور سپہ سالار حضرت عقبہ ابن نافع جب شمالی افریقہ کی تسخیر پر مامور ہوئے تو انھوں نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی تھوڑی ہی مدت میں مخالفوں کے چھکے چھوٹ گئے اور اس سیل رواں کے سامنے ان کے بڑے بڑے لشکر تنکے کی طرح بہہ گئے اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ اسلامی فوجیں تونس والجزائر سے گذر کر مراکش پہنچ گئیں اور چند ہی دن میں بحر ظلمات کی موجیں ان کے قدموں کو چھورہی تھیں، جذبۂ جہاد اور اعلاء کلمۃ الٰہی کے شوق کا یہ عالم تھا کہ بحر زخار ان کے عزم میں ذرا بھی ضعف نہ پیدا کرسکا اور خشکی کی طرح بے تکلّف پانی میں اتر گئے، ان کو عہد فاروقی میں مدائن کی تسخیر کا واقعہ یاد تھا، دریائے دجلہ طغیانی پر تھا دشمن سمجھے کہ اب عرب آگے نہ بڑھ سکیں گے دریا نے ان کی پیش قدمی روک دی ہے لیکن مجاہدین اسلام بھلا اس قسم کی رکاوٹوں کو کب خاطر میں لاتے تھے بے جھجک دریا میں گھوڑے ڈال دیئے دشمن کی فوجوں نے اُس پار سے تماشا دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ چند لمحوں میں یہ عرب تہ آب ہوجائیں گے لیکن جب حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے رفقاء گھوڑوں کو تیراتے ہوئے کنارے کے قریب پہونچتے نظر آئے تو "دیواں آمند دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگے۔ حضرت عقبہ کو یہ واقعہ یاد تھا سمندر سامنے آیا تو اسی طرح بے باکانہ اسکے اندر داخل ہوگئے لیکن بحر ظلمات دجلہ نہیں تھا کہ چند سو گز تیر کر پار ہوجاتے یہ تو ایسا محیط بے کراں تھا کہ جہاز راں بھی اس کی ہیبت سے لرزتے تھے مجبوراً چند قدم کے بعد کھڑے ہوگئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی خدایا یہ بحر زخار حائل ہے ورنہ جی چاہتا ہے کہ برابر آگے بڑھتا جاؤں اور بحر و بر میں تیرے نام کی منادی کردوں۔

اس وقت سے شمالی افریقہ اور خاص طور سے مغرب اقصیٰ (مراکش) سے دلچسپی بڑھتی گئی پھر جب اندلس (اسپین) کی تاریخ پڑھنے کا موقع ملا اور یہ معلوم ہوا کہ مغرب اقصیٰ ہی کے جواں ہمت مجاہد تھے جنھوں نے اسپین کے صاحب جبروت فرماں روا راڈرک کے جاہ و جلال کو خاک میں ملا دیا تھا اور یورپ کا یہ سرسبز و شاداب علاقہ فتح کر کے اسلامی مملکت کے حدود تیسرے برّاعظم تک پہونچا دیئے تھے تو اس دلچسپی میں اور اضافہ ہو گیا، طریف کی بہادرانہ مہم اور طارق کے دلیرانہ اقدام اور متوکلانہ انداز نے دل میں عزم و حوصلہ کی لازوال تصویر نقش کر دی بھلا کون ہمت کر سکتا تھا کہ چند ہزار سپاہیوں کو لے کر برّاعظم یورپ کے اندر قدم رکھے اور دشمن کی قوت و طاقت سے بے نیاز ہو کر نبرد آزمائی کے لئے تیار ہو جائے اور وہ بھی اس حال میں کہ کشتیاں جل چکی ہیں اور واپسی کی راہ منقطع ہے، طارق ساتھیوں سے کہہ رہا ہے۔

العدو اما مکم والبحر وراءکم — دشمن تمہارے آگے اور سمندر پیچھے ہے

فاین المفر — اب فرار کا موقع کہاں ہے

ذرا خیال تو کیجئے دشمن کی تازہ دم اور آہن پوش فوجیں سامنے کھڑی ہیں لیکن خوف و ہراس کے بجائے فتح و کامرانی کا کامل یقین اور نصرت خداوندی پر پورا بھروسہ ہے طارق اسباب پر نظر رکھنے والے رفیقوں کو مسبب الاسباب کی یاد دلاتا ہے، ڈاکٹر اقبال نے تین شعروں میں یہ ساری داستان بیان کر دی ہے۔

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا است

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم
ترک سبب ز روئے شریعت کجا رواست

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

فتوحات ہی نہیں علم وفن تہذیب وتمدّن، ایجاد واختراع کون سی چیز ہے جس میں اندلس مرحوم کی یاد نہیں آتی اور اندلس کے ساتھ مراکش مغرب اقصیٰ کی یاد بھی ناگزیر ہے، کوئی بھلانا بھی چاہے تو ممکن نہیں، مغرب اور اندلس کی تاریخ اس درجہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرے کی یاد ضرور آتی ہے زندگی کے ہر میدان میں ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے عہد عروج ہو اور دور زوال ہر زمانہ میں اسپین (اندلس) کے ساتھ مغرب اقصیٰ (مراکو) اور مغرب اقصیٰ کے ساتھ اسپین کا ذکر تاریخ کے اوراق میں نظر آتا ہے۔ عہد امارت[1] میں بھی مراکش کے سپاہی، مراکش کے امیر مراکش کے صاحب علم اور مراکش کے صاحبان سیاست وتدبیر اندلس پر چھائے رہے اور جب ملّت افسردہ کے تن ناتواں میں تازہ خون کی ضرورت محسوس ہوئی تو مغرب اقصیٰ کی طرف سے اس کی پیش کش ہوئی پھر جب اندلس میں خود خلافت کا دور آیا تو اسکے قدم جمانے والے مراکش ہی کے لوگ تھے عبّاسیوں کی داروگیر سے بچکر جب عبدُالرحمٰن الدّاخِلُ یہاں پہونچا تو یہیں کے باشندوں نے اس کو پناہ دی اور پھر انھیں باہمّت مُعاونین کے سہارے وہ اندلس میں داخل ہوا اور قرطبہ کے تخت پر بیٹھا اسکے جانشینوں نے بڑی وسیع اور شاندار سلطنت قائم کی جسکے ذریعہ یورپ میں تہذیب وتمدّن اور علم وفن کی روشنی پھیلی لیکن اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو ہر میدان میں مغرب اقصیٰ کے اشخاص نمایاں نظر آئیں گے۔

---

[1] اس وقت جب اندلس دمشق کی مرکزی حکومت کے ماتحت تھا تو اس کی دیکھ بھال کے لئے مرکز سے امیر مقرّر ہوتے تھے یہ عہد امارت کہلاتا ہے۔

پھر جب صدیوں کی شاندار حکومت کے بعد اندلس کا مرکزی نظام کمزور ہوا اور ملک طوائف الملوکی کا شکار ہوگیا تو عیسائی حکمراں کو خیال ہوا کہ اب وقت آگیا ہے کہ عربوں کو نکال کر سارے اسپین میں عیسائی حکومت قائم کر دی جائے یہ بڑا نازک وقت تھا عرب سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی کسی امیر میں دم نہ تھا کہ عیسائیوں کی متحدہ طاقت کا سامنا کر سکتا، مسلمان پسپا ہوتے جا رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ چند ہی دن میں انکا خاتمہ ہے ایسے تشویش انگیز زمانہ میں مراکش کے فرماں روا آگے بڑھے اور عیسائیوں کے خواب کو خواب پریشان بنا دیا سلطان یوسف بن تاشفین نے زلاقہ کے معرکہ میں نصرانی فوجوں کے پرخچے اڑا دیئے اور سلطان ابو یعقوب نے جنگ مرج الحدید میں ان کو ایسی ذلّت بخش شکست دی کہ صدیوں سر اٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی۔

ان علاقوں کی تاریخ پڑھتے وقت اکثر میرے دل میں یہ تمنّا پیدا ہوتی کہ کاش اس محبوب سرزمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا، فاتحین کے نقش قدم کو چومتا اور مجاہدین کی خاکِ پا کو سرمۂ چشم بناتا، ایک دن آرزوؤں کی اس دنیا میں دیر تک گم رہا آنکھ لگی تو قرطبہ کی مسجد میں کھڑا تھا کچھ دیر اس جنّت ارضی کی سیر کرتا رہا اور مردانِ حق کے نقوش جمیل کو دیکھ دیکھ کر سر دھنتا رہا، آنکھ کھلی تو یہ دلکش نظارے دیر تک دل کو تڑپاتے رہے، رمضان کا آخری عشرہ اور پچھلے پہر کا وقت تھا، اٹھکر وضو کیا اور نماز پڑھ کر دعا مانگی کہ

خدایا اس خواب کو حقیقت بنادے

اس زمانہ میں ہم لوگ ادارۂ تعلیمات اِسلام لکھنؤ سے وابستہ تھے اس ادارہ میں بڑی عمر کے لوگوں کو عربی زبان کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی ادارہ کی طرف سے تعمیر کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ نکلتا تھا اسکی ادارت میں میرے ساتھ محبّ مکرم مولانا سیّد ابوالحسن علی بھی شریک تھے، ہم دونوں کا نام سرورق پر درج ہوتا تھا یہ ساری سرگزشت اس میں لکھی ہوئی ہے۔

اس وقت یہ خواب خواب ہی معلوم ہو رہا تھا اور خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ کبھی یہ "رؤیا" واقعہ بن جائے گا لیکن چند برس کے بعد جب علی میاں کو اسپین جانے کا موقع ملا اور انھوں نے قرطبہ کی جامع مسجد اور غرناطہ کے قصر الحمراء کی زیارت کی اور اس کے بعد پچھلے دنوں مراکش کی سیاحت نصیب ہوئی تو دل نے کہا۔

هذا تأويل رؤياي من قبل — یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے

قد جعلها ربّي حقا — میرے رب نے حقیقت بنا دیا۔

"تعمیر" کے ایک مدیر نے خواب میں جو دیکھا دوسرے مدیر نے اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لیا۔

بات میں بات نکل رہی ہے اور داستان طویل ہوتی جا رہی ہے آپ علی میاں کی شگفتہ اور پر کیف تحریر سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہوں گے، اب میں زیادہ دیر آپ کے صبر کی آزمائش نہیں کرنا چاہتا سفرنامہ کھولئے اور خود مسافر کی زبان سے داستان سفر سنئے، اس کے اندر آپ کو ایمان کی جھلک بھی نظر آئے گی اور عمل کا ولولہ بھی، ناموَر اسلاف کے تذکروں میں یوں بھی کم مایہ اخلاف کے لئے دل کی تقویت اور روح کی تازگی کا سامان ہوتا ہے، پھر جب لکھنے والا صاحبِ دل اور صاحبِ نظر ہو اور اس کا قلم جاں نواز اور جذبات آفریں ہو تو قارئین کے دل و دماغ کا کیا عالم ہوگا، افکار و خیالات کی روانی اور عزم و حوصلہ کی جولانی تخیل کو رفعت اور عمل کو وسعت عطا کرے گی۔ سیاح نے قدم قدم پر دل کے تاروں کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے اور عہد بہار کے گل و گلزار کو دکھانے کے ساتھ عہد خزاں کے خارزار کی جھلک بھی دکھائی ہے تاکہ ناظرین اپنے دور کی زبوں حالی کو سمجھیں اور عہد رفتہ کے ہمت آفریں واقعات سے زندگی کی شب تاریک کو سحر کرنے کی کوشش کریں، کتاب کے شروع میں مولوی شمس تبریز کے قلم سے مغرب اقصیٰ کی تاریخ کا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ سفرنامہ کے اشارات اور مجمل بیانات

کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

امید ہے کہ یہ سفرنامہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اگر دیدۂ عبرت نگاہ اور قلب نصیحت پذیر ہو تو اسکے اندر عبرت اور بصیرت کا سامان بہت ہے۔

فہل من مدّکر

دار المصنّفین اعظم گڈھ

۱۱؍شعبان سنہ ۱۳۹۶ھ

مطابق

۸؍اگست سنہ ۱۹۷۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیر نظر کتاب "دو ہفتے مغرب اقصیٰ (مراکش) میں" راقم سطور کا وہ سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جو اس نے ہندوستان واپسی پر اپنی علالت کے دوران ان اشارات کی مدد سے جو عزیز رفیق سفر مولوی سید محمد رابع ندوی سلمہٗ نے چلتے پھرتے نوٹ کر لئے تھے مرتب کیا۔ اب اس خیال سے کہ مغرب اقصیٰ کے متعلق اس تحتی برِ اعظم میں اردو میں بہت کم تحریری سرمایہ اور مواد ہے، نیز اس بنا پر کہ اس میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کے لئے دلچسپی اور عبرت و موعظت کا سامان ہے اس کو اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ مصنف "مکتبۂ فردوس" کا شکرگزار ہے کہ اس نے اس کی اشاعت کا بندوبست اور اس کو اہلِ ذوق ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچنے کا سامان کیا۔

مصنف نے مناسب سمجھا کہ اصل سفرنامہ اور روزنامچہ پڑھنے سے پہلے مغرب اقصیٰ کی تاریخ اور وہاں کے واقعات و تبدیلیوں حکومتوں کے عروج و زوال اور اس ملک کی ترقیات و تمدن و تہذیب کا مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے تاکہ سفرنامہ اور روزنامچہ پڑھنے میں ناظرین کو تشنگی اور واقعات کے پس منظر کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے دشواری نہ پیش آئے۔ اس قدرے نازک اور دشوار کام کے لئے اسنے اپنے فاضل عزیز مولوی شمس تبریز خاں صاحب رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کو زحمت دی کہ وہ عربی اور انگریزی مآخذ کو سامنے رکھ کر ایک ایسا مضمون مرتب کریں جو ضروری معلومات پر مشتمل ہو اور جس سے اس ملک کا ماضی کسی قدر تفصیل کیساتھ اور حال اجمال کے ساتھ سامنے آجائے۔ مجھے اس بات کے اظہار میں خوشی ہے کہ انھوں نے حسب توقع یہ کام سلیقہ اور قابلیت سے انجام دیا، اور اس سے اس

کتاب کی علمی قدر و قیمت میں معتد بہ اضافہ ہو رہا ہے۔

مصنّف کو اس حقیقت کے اظہار میں بھی خوشی ہے کہ اس نے اس سفرنامہ میں مبیر دبیر قاضی ولی محمد صاحب کسمنڈوی مرحوم کے "سفرنامۂ مراکش" سے فائدہ اٹھایا جو افسوس ہے کہ اس نے سفر سے مراجعت کے بعد پڑھا، اور جو وہ شہرت و وقعت حاصل نہیں کر سکا جس کا وہ مستحق تھا، قاضی صاحب کا جذبۂ اسلامی اور خلوص اس کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔

مناسب سمجھا گیا کہ نَحنُ الآنَ فِی المَغرِب کے عنوان سے رباط میں جو مضمون شروع کیا گیا تھا جس میں اہل مغرب اقصیٰ کو انکی تابناک و درخشاں تاریخ یاد دلاتے ہوئے نئے خطرات اور ان کی نئی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس مجموعہ میں شامل کر دیا جائے کہ اس میں مصنّف کے مطالعہ و تجربے کا نچوڑ اور اسکے مخلصانہ مشورے آگئے ہیں، امید ہے کہ اس سے اس مجموعہ میں گراں قدر اضافہ ہوگا عربی مضمون کا ترجمہ مولوی محمد الحسنی مدیر البعثُ الاسلامی کے قلم سے ہے۔

رفیق قدیم و محبّ گرامی مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کے مقدمہ اور تعارف نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ کر دیا، ان کو اسپین اور مغرب اقصیٰ کی تاریخ سے پرانی دلچسپی ہے اور وہاں کی تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے مصنّف و ناشر اس عزّت افزائی کے لئے ان کے شکر گزار ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ سفرنامہ اور روزنامچہ اہلِ وطن کے لئے ایک سوغات ثابت ہوگا اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

ابوالحسن علی

۴ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۷۶ء

مراکش

ایک تاریخی جائزہ

مراکش: ایک تاریخی جائزہ

اسپین اگر ہمارا فردوسِ گم شدہ ہے تو مراکش فردوس بازیافتہ ہے فردوسِ اندلس میں مسلمان مراکش کے راستے گئے تھے، اور پھر زوالِ اندلس کے وقت جب وہاں کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ ہوگئی تو ان خانہ بربادوں کے لئے مراکش ہی نے اپنی آنکھیں بچھائیں اندلسی تہذیب وثقافت کا بچا کھچا سرمایہ دوبارہ یہیں برگ وبار لایا اور اس طرح یہ سرزمین اندلس ثانی اور اس کا نعم البدل ثابت ہوئی۔

مراکش Morocco جس کا اصل تلفظ "مَراکُش" ہے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، ایک طرف وہ برّاعظم افریقہ کا آخری مغربی کنارا ہے دوسری طرف یورپ کا قریبی پڑوسی بھی ہے، اسکے ساتھ ہی بحر روم MEDITERR-ANEANSEA اور بحر اٹلانٹک Atlantic Sea جیسے تجارتی سمندروں پر اس کی متعدد بندرگاہیں واقع ہیں اس کا رقبہ ۱۷۲،۵۵۶ مربع میل ہے اور آبادی ۱۹۶۲ء تک ایک کروڑ تھی[1] احمد عبداللہ المدوسی کے بموجب اس کا رقبہ ۴۴۳۶۸۰ مربع میل اور ۶۳ء میں آبادی ۱۱۹۲۵۰۰۰ تھی[2] سرکاری اعداد وشمار کے مطابق رقبہ ۴۵۸۷۳۰ مربع کیلومیٹر اور جون ۷۱ء میں ۱۵۳۷۹۲۵۹ تھی[3] اس حساب سے اب مراکش کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے اوپر ہوگی

۱؎ Greotd Ilorld Atlas P. 78

۲؎ افریقہ ایک چیلنج

۳؎ Statesnans Your Book 74-75

مراکش کی بڑی بندرگاہیں یہ ہیں۔ ملیلہ، سبطہ، طنجہ، العرائش، رباط، کاسابلانکا مزغان، اغادیر، تطوان، مہدیہ، سلا، اسفی وغیرہ۔ دارالحکومت رباط کے بعد بڑے شہر فاس، مکناس، طنجہ، الدّارُالبیضاء، تطوان، مراکش اور وجدہ ہیں۔

پُرانی تاریخ

مراکش کی قدیم تاریخ ..۵ ق، م تک جاتی ہے[1] جب کارتھج (قرطاجنہ) کے باشندے ہنّو نے نوآبادی قائم کرنے کی غرض سے جبل الطارق سے آگے تک کا سفر کیا یہ ساٹھ جہازوں پر تیس ہزار آدمی لے کر اس مہم پر روانہ ہوا تھا اس نے مغرب اقصیٰ میں کئی جگہ نوآبادیاں قائم کیں، انہی کارتھج والوں سے رومیوں کی وہ مشہور لڑائیاں ہوتی رہی تھیں جنھیں پیونک وار کہا جاتا ہے، قدیم مؤرخ شمالی افریقہ کی بعض قوموں کا تذکرہ کرتے ہیں جو کارتھج کے سرداروں، ہنی بال، ہسڈروبال، ہملکار نے اسپین کی طرف حملہ کیا اور ان کو رومنوں نے پیچھے ڈھکیل دیا، ہنّو کے ایک ہزار سال بعد جسٹی نین کے جنرل بیلی سائیں نے ۵۵۳ء میں ونڈال (جرمن نسل) سے کارتھج کو فتح کیا۔

اکثر عرب مؤرخین کی رائے میں یہ قدیم باشندے فلسطین کے رہنے والے تھے جن کو حضرت داؤدؑ نے ملک بدر کر دیا تھا اور وہ کسی سردار کے ہمراہ افریقہ چلے آئے، ابن خلدون نے بربروں کو کنعانی الاصل لکھا ہے، ابن حزم بھی ان کو عربی النسل کہتے ہیں۔ کارتھج کی فتح کے ۴۷ سال بعد جب روما پر سرداروں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے مغرب اقصیٰ کے کچھ علاقوں پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا، بربروں کی سرکشی سے تنگ آکر

---

[1] لیکن ۱۲۱۵ ق، م تونیشیا کے مہاجر کنعانی موریتانیا اور مغرب میں پہونچ گئے تھے (قادۃ فتح المغرب محمود شیت خطاب ۱/۲۲ (۶۶)

رومیوں نے ۱۴۶ء میں طافیلات تک بربروں کا پیچھا کیا اور اسے ایک رومی صوبہ بنا دیا ۱۶۱ء سے رومیوں کا زوال شروع ہوگیا اور یورپ کے وحشی قبائل ونڈال اور گوتھ وغیرہ نے اس علاقے پر تاخت شروع کی۔ رومیوں کی حکومت ۴۳۱ء تک رہی پھر وحشی قبائل حکمراں رہے اور ۵۴۴ء میں مراکش دوبارہ رومیوں کے پاس آگیا اور اسلامی عہد تک رہا رومی عمارتوں کے کھنڈر مکناسہ کے قریب تک بھی موجود ہیں۔[1]

قوم بربر

بربر ایک سخت جنگ جو اور تند خو قوم تھی جو اسلامی فتوحات کے بعد مسلمان ہوگئی۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ "وہ بارہ مرتبہ مرتد ہوئے اخیر میں موسیٰ بن نُصیر کے عہد سے اسلام پر ہمیشہ کے لئے قائم ہوگئے۔"[2]

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں[3] بربر کو بدترین خلائق لکھا ہے لیکن اس کے برعکس ابن خلدون لکھتا ہے کہ بربر کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک معزز دبدبہ اور کثیر آبادی والی قوم تھے اور عربوں، ایرانیوں، رومیوں اور یونانیوں کے ہم پلّہ رہے ہیں ان میں اخلاقِ حسنہ، خودداری، مہمان نوازی، پاس عہد، صبر و ثبات، عیوب سے چشم پوشی اور عفو درگزر، عالی ہمتی و مہم جوئی، اللہ کے دین کی نصرت ایسی معروف چلی آرہی ہے کہ لوگ ان کی اتّباع کرنا پسند کریں اپنی انھیں صفاتِ حمیدہ کے سبب وہ حکومت وسلطنت کے مالک ہوئے اور ان میں صفِ اوّل کے لوگ جیسے یوسف بن تاشفین اور عبدالمومن بن علی وغیرہ پیدا ہوئے۔[3]

---

[1] تاریخ مراکش: محمد انشاء اللہ ۱/۵-۲۰ ملخصًا (لاہور ۱۹۰۱ء) تاریخ ابن خلدون ۶/۱۰۳

[2] دائرۃ المعارف: فرید وجدی جلد ہشتم (بیروت ۱۹۷۱) [3] ۱/۳۶۹

[3] تاریخ ابن خلدون ۶/۱۰۴ (طبع مصر)

اسلامی فتوحات کا آغاز

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ۲۱، ۲۲ھ میں حضرت عمرو بن العاص نے مصر و لیبیا اور تونس فتح کیا تھا۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمان کے حکم سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے افریقہ پر دس ہزار کی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور اس کے بیشتر علاقے فتح کر لئے اور ۲۵ لاکھ درہم سالانہ خراج پر صلح ہوئی۔[۱] ابن خلدون اس جنگ میں جرجیر (گریگوری) کی افواج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور مسلمان کی تعداد بیس ہزار بتاتا ہے۔[۲] اس مبارک معرکہ میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرات حسنینؓ بھی شریک تھے۔[۳] ان کے سلسلے میں اتنا بتا دینا اور ضروری ہے کہ بربروں کے ارتداد کے بعد ۳۳ھ میں انھوں نے دوبارہ افریقہ پر حملہ کیا۔ ۳۴ھ میں قسطنطین بن ہرقل نے ۶۰۰ کشتیوں کے بیڑے سے اسکندریہ پر حملہ کیا جسے انھوں نے کل ۲۰۰ کشتیوں کے ساتھ شکست دی یہ معرکہ "غزوہ ذات الصواری" سے مشہور ہے۔ وہاں سے ۳۵ھ میں پلٹے تو حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی خبر ملی، حضرت علیؓ نے ان کو دس سالہ ولایت مصر سے الگ کر دیا، آپ فتنہ کے دنوں میں عسقلان چلے گئے اور دعا مانگا کرتے کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَاتِمَۃَ عَمَلِیْ صَلَاۃَ الصُّبْحِ (اے اللہ نماز صبح پر میرا خاتمہ فرما) چنانچہ ۳۶ھ ۶۵۶ء کی ایک صبح کو سلام پھیرتے ہی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔[۴] ان کے بعد دوسرے فاتح معاویہؓ بن حدیج السکونی کا نام آتا ہے جو فتح مصر میں بھی شریک تھے انھوں نے افریقہ پر تین بار جہاد کیا، پہلی بار حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۳۴ھ میں قیروان کو فتح کیا پھر ۴۱ھ

۱؎ البدایہ والنہایہ ۱۵۲/۷ (بیروت ۱۹۶۶ء) ۲؎ ابن خلدون ۱۰۸/۶

بلاذری بھی یہی تعداد بتاتا ہے (قادۃ فتح المغرب ۵۶/۱) (بیروت ۱۹۶۶ء) ۳؎ ابن خلدون ۱۲۸/۲ ۴؎ قادۃ فتح المغرب ۶۵/۱

میں بنزرت فتح کیا پھر امیر معاویہؓ نے انھیں رومیوں کے مقابلہ پر بھیجا (۴۵ھ) اس مہم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالملک بن مروان بھی آپ کے ساتھ تھے ان کی دس ہزار کی فوج نے ۳۰ ہزار کے رومی لشکر کو قلعۂ اجم کے پاس شکست دی پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سُوسہ کی فتح کے لئے بھیجا، آپ نے قیروان میں تین۳ سال قیام کیا اور رفاہی عمارتیں بنائیں ۵۰ھ میں بھی ان کے ایک غزوہ کا ذکر آتا ہے۔ انھی نے مشہور سپہ سالار عقبہ بن نافع کو افریقہ بھیجا تھا ۳۶ھ میں انھی نے سِسلی کیطرف پہلا سمندری بیڑا روانہ کیا تھا آپ کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی۔[1]

اس کے بعد عقبہ بن نافع الفہری القرشی کی عظیم مہم شروع ہوتی ہے جنکے لئے فتح افریقہ کی تکمیل مقدر تھی وہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے وہ ۲۰ھ میں فتح مصر میں عمرو بن العاصؓ کے ساتھ تھے اور ۲۲ سال کی عمر میں ۲۱ھ میں زویلہ فتح کیا تھا، آپ نے رومیوں سے کئی برّی و بحری جنگیں کی تھیں۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے عقبہ کو افریقہ کی طرف بھیجا چنانچہ آپ شہر پر شہر فتح کرتے جاتے اور پوچھتے جاتے کہ ھل من وراءکم احد (کیا تمہارے بعد کوئی اور ہے) اگر جواب اثبات میں ملتا تو آپ اس شہر کی طرف بڑھ جاتے، ان کا ارادہ پورے صحرائے افریقہ کی فتح کا تھا چنانچہ ایک مقام ماء فرس پر عقبہ اور آپ کے ساتھی پیاس سے مرنے کے قریب ہوگئے، عقبہ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کی اس اثنا میں ان کے گھوڑوں کے کھروں سے کریدنے سے پانی کا چشمہ نکل آیا اور عقبہ اور ان کی فوج سیراب ہوگئی۔

اس طرح عقبہ برقہ سے چل کر قیروان پہنچے، یہاں ان کی فوجوں کی تعداد دس ہزار تھی، انھوں نے قیروان کو شمالی افریقہ کی فتوحات کے مرکز کے لئے پسند کیا اس

---

[1] قادۃ فتح المغرب العربی ۸۷/۱

پر فوج نے کہا کہ اس خوفناک جنگل میں ہمیں درندوں اور زہریلے جانوروں سے خطرہ ہے، آپ کے لشکر میں پندرہ صحابی بھی تھے چنانچہ آپ نے سنجہ کی وادی میں جا کر یہ آواز دی جس پر لشکر آمین کہتا رہا۔

"ایتھا الحیات والسباع نحن — اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ — کے ساتھی ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ
علیہ وسلم فارحلوا عنا فانا — کیونکہ ہم یہاں رہنا چاہتے ہیں اب
نازلون ومن وجدناہ بعد — اسکے بعد ہم جسے پائیں گے اسے
ذلک قتلناہ" — ختم کردیں گے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس اعلان کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ درندے اور سانپ اپنے بچوں کو لیکر جانے لگے آپ نے لوگوں سے کہا کہ ان کے چلے جانے تک ٹھہرے رہو چنانچہ اس کے بعد وہ لوگ وادی میں گئے اور جنگل کو کاٹ کر صاف کردیا۔ [1]

سنہ ۵۰ھ میں آپ نے قیروان کو آباد کیا جامع مسجد بنائی سنہ ۵۵ھ میں امیر معاویہؓ نے عقبہ کو معزول کر کے مسلمہ بن مخلد انصاری کو مصر وافریقہ کا والی بنایا مسلمہ نے افریقہ میں اپنے غلام ابوالمہاجر دینار کو مقرر کیا جس نے عقبہ کو بیڑیاں ڈال کر قید کردیا لیکن بعد میں امیر معاویہؓ کے لکھنے پر ان کے پاس بھیجدیا آپ نے امیر معاویہؓ سے شکایت کی تو آپ نے معذرت کی اور دوبارہ بحال کرنے کا وعدہ کیا، یزید نے انھیں سنہ ۶۲ھ میں افریقہ کا والی بنایا چنانچہ انھوں نے قیروان آکر ابوالمہاجر کو قید کردیا اور قیروان کو ازسرنو بسایا۔

---

[1] ریاض النفوس ۱/۶ البیان المغرب ۱/۱۳ آثار البلاد ۲۴۴ ابن الاثیر ۳/۱۸۴ اسد الغابہ ۳/۴۲۰ بحوالہ قادۃ فتح المغرب ۱/۱۴۰

عقبہ نے زہیر بن قیس البلوی کو جانشین بنا کر مغرب اقصیٰ کا ارادہ کیا چلتے وقت اپنی اولاد سے کہا "میں نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دی ہے اس لئے کافروں سے برابر جہاد کرتا رہوں گا الخ" اس کے بعد انھوں نے یہ بھی کہا کہ "شاید آج کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو گے" پھر دعا کی کہ "اے اللہ! میری جان اپنے راستے میں قبول کر اور جہاد کو میرے لئے عزّت بنا۔"

اس کے بعد آپ علاقے فتح کرتے ہوئے تلمسان پہنچے، تاہرت میں رومیوں اور بربروں سے سخت مقابلہ ہوا جہاں عقبہ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں رضائے الٰہی کی طلب اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے آئے ہو تو مبارک باد قبول کرو، دشمن جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی ذلّت اٹھائے گا۔ تمھارا رب تمھیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، دشمن سے تم اعتماد کے ساتھ ملو، اللہ نے تمھیں اپنا وہ خطرہ بنایا ہے جسے مجرم قوموں سے پھیرتا نہیں۔" اس معرکہ میں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور عقبہ طنجہ پہنچے وہاں سے انھوں نے فتح اندلس کا ارادہ کیا لیکن طنجہ کے پادری جولیان نے انھیں مشورہ دیا کہ پہلے بربر کو فتح کیجئے چنانچہ عقبہ دیلی پہنچے جو جبل زرہون کے مقابل ہے اور جسے اب قصر فرعون کہا جاتا ہے پھر ماليان پہنچ کر بحر اٹلانٹک کو دیکھ کر کہا۔

یارب لولا ھذا البحر لمضیت فی البلاد مجاھدا فی سبیلک (ابن الاثیر ۳/۴۲)	یارب اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں تیرے راستے میں جہاد کرتا ہوا دوسرے علاقوں میں نکل جاتا۔

عقبہ نے مزید کہا:

اَللّٰھُمَّ اشھد انی قد بلغت المجھود ولولا ھذا البحر لمضیت فی البلاد اقاتل من کفر بک لا یعبد احد من دونک [1] اے اللہ گواہ رہ کہ میں نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی اگر یہ سمندر نہ ہوتا تو میں کافروں سے برابر جہاد کرتا رہتا یہاں تک کہ تیرے سوا کسی کی عبادت نہ ہوتی۔

---

[1] عقبہ کا یہ جملہ نویری نے بھی نہایۃ الارب میں نقل کیا ہے۔

فرید وجدی کہتے ہیں کہ آسفی پہونچ کر عقبہ نے گھوڑے کو سمندر میں ڈال کر یہ تاریخی جملے کہے۔

اللھم انی لم اخرج بطرا ولا اشرا	اے اللہ میں فخر و غرور سے نہیں نکلا اور تو جانتا
وانك تعلم انما نطلب السبب الذی	ہے ہم وہی سبب ڈھونڈ رہے ہیں جسے آپ کے
طلبه عبدك ذو القرنین وھو ان	بندے ذوالقرنین نے تلاش کیا تھا وہ یہ کہ تیری عبادت
تعبد ولا یشرك بك شئ اللھم انا	ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اے اللہ
مدافعون عن دین الاسلام فکن	ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں تو ہمارا ہو جا
لنا ولا تکن علینا یا ذا الجلال و	ہمارے خلاف نہ ہو۔ اے عزت و حرمت کے
الاکرام ۔	مالک !

عقبہ نے قیروان لوٹتے ہوئے فوج کو پہلے روانہ کر دیا اور خود تین سو آدمیوں کے ساتھ رہ گئے کسیلہ نام کا ایک عیسائی سردار جو مسلمان ہو کر عقبہ کا معتمد بن گیا تھا اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور عیسائیوں اور بربروں کو ملا کر بغاوت کر دی۔ اس موقع پر ابوالمہاجر کو عقبہ نے قید سے رہا کر کے کہا "الحق بالمسلمین وقم بامرھم وانا اغتنم الشھادۃ" (تم مسلمانوں کو سنبھالو میں تو شہادت کی سعادت چاہتا ہوں) لیکن ابوالمہاجر ان کے ساتھ ہی رہے ان بے جگر انسانوں نے اپنی نیامیں توڑ دیں اور بے جگری سے لڑ کر جام شہادت نوش کیا، ان میں متعدد صحابہ اور تابعین بھی تھے یہ واقعہ ہائلہ صوبہ زاب کے تہوذہ نامی مقام پر پیش آیا (سنہ ۶۳ھ) اب اس مقام پر مسجد عقبہ ان مجاہدین کی شجاعت و بسالت کی داستاں سنا رہی ہے ابوالمہاجر دینار کی قائدانہ صلاحیتوں اور وسط افریقہ میں پیش قدمیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ان کے جوش جہاد کا یہ عالم تھا کہ قیروان میں کوئی

لہ ریاض النفوس ۱/۲۵ بحوالہ قادۃ فتح المغرب ۱/۱۰۵-۱۱۰ ۲ہ دائرۃ المعارف جلد ہشتم۔

جوان آدمی نہیں رہ گیا جسے فوج میں انھوں نے نہ بھیجا ہو۔ ان کے بعد زہیر بن قیس البلوی کا نام آتا ہے جنھیں بعض اقوال کے مطابق شرف صحابیت بھی حاصل تھا عبدالملک بن مروان نے مسلمانوں سے مشورہ لیا کہ عقبہ کی جگہ کون لے سکتا ہے؟ تو سب کا اتفاق ان پر ہوا چنانچہ انھوں نے کسیلہ اور اس کے ساتھ کے رومیوں اور بربروں کو شکست فاش دی اور مسلمان افریقہ میں ہاری ہوئی بازی پھر سے جیت گئے، تونس کی فتح کے بعد وہ جب قیروان آئے تو پھر انھوں نے قیام کے بجائے دائمی جہاد کا ارادہ کر لیا اور کہا "میں صرف جہاد کیلئے نکلا ہوں اور مجھے دنیا کی طرف میلان سے ہلاکت کا خطرہ ہے"۔

اس کے بعد رومیوں اور اہل سسلی سے برقہ میں سمندری معرکہ پیش آیا مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن زہیر اور ان کے ساتھی مسلمان قیدیوں کے بچانے کے لئے سمندر میں کود گئے اور اس لڑائی میں سب شہید ہو گئے۔ یہ حادثہ فاجعہ ۷۶ھ میں پیش آیا۔ ان کے بعد حسان بن نعمان الازدی الغسانی آتے ہیں جن کو عبدالملک بن مروان افریقہ کے لئے سب سے مناسب آدمی سمجھتا تھا (ما اعلم احدا اکفا بافریقیہ من حسان) اس نے حسان کو ۷۳ھ میں افریقہ کا والی بنا کر بھیجا۔ انھوں نے کارتھج میں رومیوں کو شکست دی کسیلہ کے بعد ایک کاہنہ نے بربروں پر اقتدار حاصل کر لیا تھا اس سے ایک نہر کے کنارے سخت مقابلہ ہوا اور اس میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی، تاریخوں میں اسے یوم البلاء اور اس نہر کو نہر البلاء کہتے ہیں، لیکن ۵ سال بعد حسان نے کاہنہ کو شکست دی (۸۲ھ) اسی سال انھوں نے یوحنا Patritius Jeam کے بحری بیڑے کو بھی شکست دی اور قدیم یونانی بندرگاہ ترشیش کو اپنے بیڑے کے لئے تعمیر کیا انھوں نے عربی حروف کے دینار ڈھالے، عربی کو رائج کیا اور بربروں کو عربی تہذیب میں رنگ لیا۔[1]

اس کے بعد عظیم فاتح موسیٰ بن نصیر اللخمی کا نام آتا ہے ان کی پیدائش ۱۹ھ میں ہوئی انھیں حضرت خالدؓ نے ایک معرکہ میں گرفتار کیا تھا پھر وہ امیر معاویہؓ کے حفاظتی

---

[1] قادۃ فتح المغرب ۱/۱۳۰ ــ ۲۲۰ (ملخصاً)

دستے میں آ گئے انھوں نے قبرص پر بھی فوج کشی کی تھی ۶۵ھ میں مروان بن الحکم نے موسیٰ کو اپنے بیٹے عبدالعزیز کا وزیر بنایا پھر ۷۱ھ میں بشر بن مروان والی کوفہ و بصرہ کا وزیر رہا ۷۵ھ میں عبدالملک بن مروان نے حجاج کو عراق کا والی بنایا تو موسیٰ پر جرمانہ کیا گیا جو صحیح نہ تھا۔

۸۴ھ میں عبدالعزیز بن مروان نے حسّان بن نعمان کو معزول کر کے موسیٰ کو افریقہ اور مغرب کا والی مقرر کر دیا، موسیٰ نے وسط مغرب کے ساتھ طنجہ تک کا علاقہ فتح کیا لیکن سبتہ کو قابو میں نہ لاسکا اس نے طارق بن زیاد کو طنجہ کا حاکم مقرر کر کے خود ۸۴ھ میں سسلی پر بحری حملہ کر کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا اور بعض سمندری جزیرے بھی فتح کئے۔

مراکش کی فتح کے بعد موسیٰ اور طارق دونوں کی نظریں اندلس کی طرف تھیں چنانچہ جولیان حاکم سبطہ کے اشارے سے اور موسیٰ کے حکم سے طارق کی فوجیں رجب ۹۲ھ/ اپریل ۷۱۱ء میں جبل الطارق پر اتر گئیں اور فتح اندلس کا آغاز ہو گیا۔[1]

---

[1] قادۃ فتح المغرب ۱/۲۲۱-۲۴۵ (ملخص)

ہم غیر متعلق ہونے کی وجہ سے اندلس کا تذکرہ چھوڑتے ہوئے موسیٰ بن نصیرؒ کی شخصیت پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں موسیٰ ایک متقی شخص تھا ایک بار افریقہ کی خشک سالی دیکھ کر وہ استسقا کے لئے میدان میں نکلا اور بڑے الحاح سے دعا کی، کسی نے پوچھا کہ آپ نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے لئے دعا نہیں کی ؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ "یہاں اس کا موقع نہیں" چنانچہ بارش ہوئی اور قیمتیں گر گئیں۔

ایک بار اس نے سلیمان بن عبدالملک کے سامنے بیان کیا کہ "چالیس کی عمر سے اسّی سال کی عمر تک مجھے کبھی شکست نہیں ہوئی"۔ [1]

ایک بار سلیمان نے پوچھا کہ "جنگ میں کہاں پناہ لیتے تھے ؟ موسیٰ نے کہا اے امیر المومنین! دعا اور توکل میں"۔ سلیمان نے پھر پوچھا کسی قلعہ کی پناہ لیتے یا خندق کھودتے تھے ؟ موسیٰ نے کہا یہ سب کچھ نہیں کرتا تھا بلکہ میدان میں اتر کر صبر سے کام لیتا اور تلوار اور مغفر سے لیس ہوتا اور اللہ سے مدد چاہتا اور کامیابی کی دعا مانگتا تھا"۔ [2]

ایک موقع پر موسیٰ نے یہ ولولہ انگیز بات کہی اما واللہ لو انقادوا الی لقدتھم الی رومیة" (خدا کی قسم اگر لوگ میرا ساتھ دیں تو میں ان کے ساتھ روما پر بھی حملہ کردوں)

موسیٰ اندلس میں فتح پر فتح کرتا چلا جا رہا تھا کہ ولید بن عبدالملک نے اس کی پیش قدمیوں کو روک کر دمشق واپس بلالیا۔ حج کے سفر میں وادی القریٰ میں اسی سال موسیٰ نے ۸۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ [3]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۰ھ میں عبداللہ بن ابی المہاجر کو والیٔ مغرب بنایا جن کے ہاتھ سے بربروں کے اسلام کی تکمیل ہوئی، لیکن کبھی کبھی بربر اپنی فطرت سے مجبور

---

[1] ایضاً ۲۹۲ [2] ایضاً ۲۹۹ بحوالہ الاما والسیاستہ ۲/۱۰

[3] ایضاً ۱/۲۹۷

ہو کر بغاوت بھی کر بیٹھتے تھے چنانچہ ۱۴۰ھ میں اور اس کے بعد بربروں نے عربوں کو شکست دی ۱۵۵ھ میں خلیفہ منصور کے بھتیجے یزید بن حاتم نے ایک بربری بغاوت فرو کر کے جامعہ قیروان کی تجدید اور شہر کی تعمیر نو کی [1]

بنی ادریس

۱۶۹ھ میں موسیٰ ہادی کی خلافت میں اہل بیتؑ نے خروج کیا جس میں محمد نفس ذکیہؒ کے بھائی اِدْرِیسؒ ابن عبدُ اللہ المحض ابن حسنؒ مثنی ابن امام حسن بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم وہاں سے چل کر مصر پھر ولیلی (مغرب) پہونچے وہاں کے بربری امیر اِسحاق بِن محمدؒ نے ان کا بڑا اکرام کیا اور بربروں کو ان کی اطاعت پر آمادہ کر کے اور ان کی امارت کا اعلان کر دیا انھوں نے بہت سے معرکے سر کر کے تلمسان سے لے کر سلا تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اِدْریسؒ کی کامیابیوں سے ہارون رشید تک کو خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اس کا انتقال ۱۷۷ھ میں ہوا۔

پھر ادریس بن ادریس نے ۱۹۲ھ میں فاس کی بُنیاد رکھّی، اس خاندان میں تقریبًا ۴۰ سال حکومت رہی لیکن خانہ جنگیوں کی وجہ سے کوئی مضبوط حکمراں سامنے نہیں آسکا، ۳۰۹ھ میں فاطمی خلیفہ کے گورنر نے حملہ کر کے ادریسی حکمراں یحییٰ ثالث کو ملک بدر کر دیا، اسطرح ادریسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اسکے بعد ۳۰۵ سے ۳۴۷ھ تک عبیدیین کا اقتدار رہا لیکن ان میں بھی کوئی قابل ذکر حکمراں نہیں گزرا۔

مصر کی حکومت نے فاطمیوں کو اپنی طرف اتنا مصروف رکھّا کہ رفتہ رفتہ مغرب سے ان کی توجہ ہٹتی چلی گئی چنانچہ معز بن بادیس صنہاجی نے (جس نے فقہ حنفی کے بجائے

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ہشتم

مغرب میں فقہ مالکی کو رواج دیا) خلیفۂ مصر مُستَنصِر باللہ کا خطبہ ختم کر کے خلیفۂ بغداد قائم بِاَمرِاللہ کا خطبہ جاری کر دیا، اس کے بعد سے فاطمیوں کا اقتدار مغربِ اقصیٰ سے جاتا رہا قیروان میں اس کی وفات ۴۵۴ھ میں ہوئی۔ [1]

مُرابطین

ان کا تعلق بربری قبیلہ صنہاجہ سے تھا یحیٰی بن ابراہیم نامی ایک صنہاجی کی حج سے واپسی پر قیروان میں ایک عالم (ابو عمران) سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اس کے دل میں اصلاح کا جوش پیدا کر دیا اور وہ ایک عالم عبداللہ کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس آیا اور خانقاہ و درسگاہ کی بنیاد رکھی جہاں ایک ہزار صنہاجی تعلیم و عبادت میں مشغول رہنے لگے اور رفتہ رفتہ سوڈان و مراکش کے بڑے علاقے پر قابض ہو گئے رباطوں کے قائم کرنے کے سبب ان کا نام مرابطین پڑ گیا، یہ صحرائی لوگ سواری کے وقت چہروں پر نقاب ڈال لیتے تھے جس کی وجہ سے انھیں ملثمین (نقاب پوش) بھی کہا جاتا ہے انھیں لمتونہ بھی کہتے ہیں کیونکہ ان ڈھالیں لمتا یعنی بھینسے کے کھال کی ہوتی تھیں ۴۵۰ھ میں عبداللہ ایک لڑائی میں مارے گئے تو ابوبکر بن عمر لمتونی بادشاہ ہوا جس نے تلمسان سے لیکر بحر محیط تک اقتدار قائم کر لیا، اس نے ایک بڑھیا کی فریاد و شکایت پر سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سلطنت یوسف بن تاشفین کے سپرد کر دی جس کے کارناموں سے مراکش کی تاریخ روشن ہے۔ تاریخ ابن خلدون اور روض القرطاس میں اس کے بارے میں ہے کہ وہ میانہ قد، دبلا پتلا، قوی، جفاکش، کاروبار سلطنت اور رعایا کی فلاح میں ہر وقت منہمک رہنے والا، اپنی ذات پر سختی کرنے والا مگر دوسروں کے لئے نہایت رحم دل تھا

---

[1] تاریخ ابن خلکان ۲/۲۲۵ (۴۸۴ھ)

اس کی معاشرت نہایت مرتاضانہ تھی ہمیشہ اون کے کپڑے پہنتا، مدت العمر جو، گوشت اور اونٹ کے دودھ پر گزارا کرتا رہا ۵۶ سال کی عمر میں بادشاہ ہوا اور تقریباً ۴۴ سال حکومت کرکے سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔[1]

اس نے ۴۵۴ھ / ۱۰۶۲ء میں شہر مراکش کی بنیاد رکھی، قلعہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر اس کے قریب ایک مسجد بنائی جس کی تعمیر میں وہ خود بھی عام مزدوروں کی طرح حصہ لیتا رہا۔

اس نے مراکش پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد الجزائر تک کے علاقے فتح کرلئے ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء میں خستہ حال مسلمانانِ اندلس کی طلب پر یوسف نے اندلس پر حملہ کیا اور والئ لیون الفانسو ششم سے نبرد آزما ہوا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ عیسائیوں کے ۸۰ ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل فوج کے آدمی مارے گئے۔ اسلامی لشکر کے تین ہزار آدمی شہید ہوئے۔ اس نے ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء میں اسپین پر ایک اور حملہ کیا۔ ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں اس نے تیسرا حملہ کیا اور اپنے آدمی مقرر کرکے مراکش واپس ہوا۔

---

[1] سیاحِ اندلس قاضی ولی محمد یوسف بن تاشفین کے مزار پر پہونچ کر لکھتے ہیں "اسی ڈھیر میں وہ امیر المومنین سو رہا ہے جس کے اونٹوں نے سوس و سودان کی دھول اڑا دی اور جس کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے سرانو یدا کی چوٹیاں کانپ اٹھیں جسنے بجز جوار اور جو کے دلیہ کے کبھی گیہوں کا دانہ منہ میں نہ رکھا نہ بکری کا گوشت اور گائے کا دودھ چکھا جس کی ستر پوشی کا شرف بجز صوف کسی اور جامہ کو نصیب نہ ہوا اور نہ کبھی پلنگ پر آرام کیا" سفرنامہ مغرب اقصیٰ ۶۹ (بجنور ۱۹۳۲ء) ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ یوسف سو سال کی عمر میں کبھی بیمار بھی نہیں پڑا۔

موحدین[1]

اس کے بعد اس کا لڑکا علی ۳۷ سال حکمراں رہا لیکن وہ سلطنت سے زیادہ عبادت کی طرف مائل تھا اس نے بھی اسپین پر اپنی حکومت برقرار رکھی لیکن ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ تومرت ایک دینی و دنیاوی طاقت بن کر اس کے سامنے آگیا، تیرہ سال کے مقابلے کے بعد ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء میں علی بن یوسف کی وفات ہو گئی[2] محمد بن تومرت علم و تقویٰ کے ساتھ انداز جہاں بانی بھی رکھتا تھا وہ ایک غریب گھرانے کا فرزند تھا اس کا باپ ایک مسجد میں چراغ جلانے پر مامور تھا اس نے پہلے اسپین میں پڑھا پھر مزید تعلیم کے شوق میں امام غزالی کی خدمت میں تین سال رہا امام صاحب کی صحبت میں اس نے علم و حکمت کے ساتھ اسلامی طرز حکومت و سیاست کی بھی تعلیم لی مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

"امام صاحب کی خدمت میں رہ کر اس نے تمام علوم میں نہایت کمال پیدا کیا اور اپنے ذاتی حوصلہ یا امام صاحب کے فیضِ صحبت سے یہ ارادہ کیا کہ اسپین میں علی بن یوسف کی سلطنت کو مٹا کر ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے یہ خیال اس نے امام صاحب کے سامنے پیش کیا۔ امام صاحب چونکہ خود ایک عادلانہ سلطنت کے خواہش مند تھے اس رائے کو پسند کیا لیکن پہلے یہ دریافت کیا کہ اس مہم کے انجام دینے کے اسباب بھی مہیا ہیں یا نہیں محمد بن عبداللہ نے اطمینان دلایا تو امام صاحب نے نہایت خوشی سے اجازت دی"[3]

---

[1] موحدین بربری قبیلہ مصمودہ کے افراد تھے [2] تاریخ مراکش ۱/۳۱-۶۱ (ملخص) [3] الغزالی ۲۴۶

ابن تومرت نے سوس کے قریب تینمل پہاڑ کو اپنا فوجی مرکز بنایا اسکے وعظ وخطابات اور دعویٰ مہدویت کے نتیجہ میں تقریباً بیس ہزار کی فوج اسکے ساتھ رہنے لگی۔ مرابطین کی فوجوں سے اس کے کئی معرکے ہوئے جن میں اس کے خلیفہ عبدالمؤمن اور اَبُو تَشہ بیسیٰ اسکے بازوئے شمشیر زن تھے۔ قاضی محمدؐ سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں "ابن تومرت میں جو قابل تعریف وصف تھا وہ ذھدٌ فی الدّنیا تھا جس تنگی کے ساتھ طالب علمی میں گزران کرتا تھا وہی چال آخر تک چلی کہتے ہیں کہ بہن سوت کات لیتی تھی اس پر دونوں گزارہ کرتے تھے روٹی کے ساتھ کبھی سرکہ ہوتا کبھی زیتوں کا روغن۔ ایک دفعہ مالِ غنیمت بہت آیا لوگوں نے تقسیم کے لئے ابن تومرت کو تنگ کرنا شروع کیا اسنے سب کو آگ لگادی اور بلند آواز سے کہدیا کہ جو شخص محض دنیا کمانے کی غرض سے میرے ساتھ ہوا ہے اسے ہمیشہ کے لئے مایوس ہوجانا چاہیئے"۔ [۱]

مرتے وقت ابن تومرت نے عبداللہ المؤمن کو اپنے پاس بلایا اور اسے امام غزالی کی ایک کتاب دیتے ہوئے اس پر کاربند رہنے کی ہدایت کی اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔ (۵۲۴ھ) اس کی ولادت ۴۸۵ھ میں ہوئی تھی۔ [۲] ۵۴۳ھ میں عبدالمومن نے شہر مراکش فتح کر کے مرابطین کی حکومت ختم کر دی اور اسپین پر بھی قبضہ برقرار رکھا ۵۵۷ھ میں ایک لاکھ سواروں اور تین لاکھ پیدل فوج کے ساتھ اسنے اسپین کا ارادہ کیا لیکن ۵۵۸ھ میں اس کی وفات ہوگئی۔ [۳] فرید وجدی لکھتے ہیں "وہ ایک عالم و مجاہد شخص تھا اسے کبھی شکست نہیں ہوئی ۵۵۵ھ میں اس نے جبل الطارق کو آباد کیا تھا اسکے بعد اس کا بیٹا یوسف ابو یعقوب جانشین ہوا۔ اس نے بھی اندلس کے

---

[۱] بحوالہ تاریخ مراکش ۱/۶۱ [۲] ایضاً

[۳] تاریخ مراکش ۱/۶۲

کچھ علاقے فتح کئے، وہ بھی عالم تھا اور ابن طفیل اور ابن رشد اس کے مصاحب تھے اس نے کیسٹل کے بادشاہ کو شکست دی اور مڈریڈ پر قبضہ کرلیا لیکن حد سے زیادہ رحم دل تھا اس لئے تمام قیدیوں کو رہا کردیا ۵۹۵ھ میں انتقال کیا۔[۱]

اس کے لڑکے محمد ناصر الدین اللہ کے پاس تقریباً دس لاکھ فوج تھی اس کی طاقت سے اس وقت کے تمام عیسائی حکمراں تشویش میں تھے اس نے جب ۶۰۸ھ میں اسپین پر حملہ کیا تو تمام عیسائی طاقتیں اس کے مقابل تھیں اس کی کامیابی یقینی تھی لیکن اس کے منافق وزیر ابن جامع کے سبب اسے ۶۰۹ھ میں شکست ہوگئی اور ۶۱۰ھ میں اس کا انتقال بھی ہوگیا اس کے لڑکے یوسف ثانی کو بھی ۶۱۴ھ میں اسپین میں شکست ہوئی پھر چھوٹے چھوٹے حکمراں ہوتے رہے جو بنی مرین سے شکست کھاتے رہے آخری حکمراں اسحاق بن ابراہیم جبال تنمل میں پناہ گزیں تھا اسے مرینی سلطان یعقوب نے ۶۷۴ھ میں قتل کردیا اور موحدین کی ۱۲۶ سالہ حکومت ختم ہوگئی۔

موحدین نے بڑی شان اور شوکت کے ساتھ حکومت کی وہ بحری بیڑے کے بھی مالک تھے، ان کی حکومت مغرب میں بحر ظلمات، مشرق میں مصر، جنوب میں صحرا اور شمال میں جبل الطارق تک تھی اور وہ اسپین کے بہت سے علاقوں اور جنوبی پرتگال پر بھی قابض تھے۔[۲]

---

[۱] کہتے ہیں کہ اسے قرآن شریف اور صحیح بخاری حفظ تھی تاریخ مراکش ۱/۸۵ [۲] اسی بادشاہ نے اندلس میں کالاٹرادا (قلعات الرباط) مقام اور مرج الحدید کے میدان میں عیسائیوں کو فیصلہ کن شکست دی (۱۱۹۵ء/) یہ معرکہ زلاقہ کے بعد دوسری بڑی فتح تھی جو اندلسی مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ [۳] دائرۃ المعارف جلد ہشتم۔

بنی مرین ۶۱۴ – ۸۹۰ھ

یہ قبیلہ لمتونہ کے حریف زناتہ قبیلہ سے تعلّق رکھتے تھے ان لوگوں نے تونس اور مراکش پر بتدریج اپنا اقتدار بڑھایا، ان کا پہلا حکمران عبدالحق تھا اس کے بعد اس کا لڑکا عثمان اوّل جانشین ہوا جو ۲۳ برس تک موحدین سے لڑتا رہا ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں وفات ہوئی اسکے بعد اس کا بھائی محمّد چہارم نے ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء میں وفات پائی ان دونوں کے عہد میں مشرقی مراکش پر بنی مرین قابض ہوچکے تھے۔ عبدالحق کے دوسرے لڑکے ابوبکر نے ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء میں مکناس اور فاس فتح کرلئے۔ ۱۴ سال حکومت کے بعد اسنے ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں انتقال کیا ۱۲۵۸ء میں یعقوب بن عبدالحق حکمران ہوا اس نے بہت سے یادگار رفاہی کام کئے وہ رات کا تیسرا حصّہ تلاوت قرآن اور نماز میں بسر کرتا نماز صبح سے فارغ ہوکر دس بجے تک اخلاق وفلسفہ کا مطالعہ کرتا پھر نماز چاشت کے بعد سرکاری کام کرتا اس نے ۶۷۴ھ/۱۲۷۵ء میں اسپین پر ایک حملہ کیا۔ پھر دوبارہ ۱۲۷۷ء میں حملہ آور ہوا اور صاحب اندلس ابن الاحمر بانیٔ الحمراء کی مدد کی اور الفانسو سے متعدّد جنگوں کے بعد اندلس کو بنی الاحمر کے سپرد کرکے چلا آیا ۲۹ سال کی حکومت کے بعد ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا لڑکا یوسف چہارم جانشین ہوا جو ۷۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں سوتے میں ایک غلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس دور میں مراکشی مسلمانوں نے تہذیبی طور پر بہت ترقی کی عربوں نے بارود ایجاد کی اور اسے استعمال بھی کیا۔ سلطان المنصور باللہ بنی مرین کا ایک بڑا بادشاہ ہوا لیکن اور دوسرے حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسپین اور پرتگال مراکش پر تاخت کرنے لگے، ہنری سوم والیٔ ہسپانیہ متوکل کے عہد میں تطوان پر ۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء میں حملہ کرچکا تھا، ابوسعید سوم کے عہد میں پرتگالیوں نے

۸۱۸ھ/۱۴۱۵ء میں سبطہ پر حملہ کیا اور اسے اپنا مرکز بنا لیا عبداللہ ثالث بنی مرین کا آخری حکمراں تھا، اسکے عہد میں پرتگیزوں اور ہسپانویوں کو شکست ہوئی لیکن سلطنت زوال کا شکار ہو چکی تھی جس سے فائدہ اٹھا کر بنی وطاس نے ۸۷۷ھ سے ۹۶۱ھ تک حکومت قائم رکھی، محمد الوطاسی ان کا پہلا حکمراں تھا جسکے عہد میں مسلمانانِ اندلس کو دیس نکالا ملا اور انھیں اس نے مراکش میں پناہ دی محمد وطاسی ۹۱۰ھ/۱۵۰۰ء میں فوت ہوا۔ اسکے بعد سلطان محمد ہشتم برتقالی تخت نشین ہوا وہ سرحدی علاقوں میں عیسائیوں سے مصروفِ جہاد رہا اور اندرون ملک بنی سعد نے قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔

سعدیین ۹۱۵-۱۰۶۹

سعدیین کا عہد زوال کی تصویر ہے۔ پرتگالیوں نے مغادور ومزغان کے بعد ۳-۹۱۲ھ/۷-۱۵۰۶ء میں آسفی، اگادیر اور آزمور پر بھی قبضہ کر لیا، خانہ جنگی کی کیفیت یہ تھی کہ جب مراکشی پرتگالیوں کو صلح کے لئے کہتے تو وہ طنزاً جواب دیتے کہ تمھارا سردار کون ہے جس سے ہم گفتگو کریں؟ ان حالات میں جنوبی مراکش کے کچھ بیدار مغز امراء وعلماء نے ضلع درعہ کے ایک سید الشریف محمد سے بیعت ہونے کا فیصلہ کیا جو اپنے زہد وتقویٰ کے لئے سارے علاقے میں معروف تھے وہ امام محمد نفس زکیہ کی اولاد میں تھے جن کے آباء واجداد کو اہل درعہ نے ینبع النخل (حجاز) سے اس موقع پر برکت کے لئے بلا کر اپنے یہاں آباد کیا تھا۔ جب ان کے علاقے میں کھجوروں کی فصل خراب رہنے لگی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قدوم میمنت لزوم سے اس علاقے کو خوشحال کر دیا تھا۔

شیخ نے پرتگالیوں سے بعض کامیاب لڑائیاں لڑیں، ان کا انتقال ۹۲۳ھ میں ہوا، ان کے بعد ان کے دونوں لڑکے حکمراں ہوئے چھوٹے لڑکے محمد نے

ابوعبداللہ المہدی کا لقب اختیار کیا اسنے ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں اسفی سے پرتگالیوں کو نکال باہر کیا، مکناس کے بعد ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء میں فاس بھی فتح کر لیا۔ المہدی نے وطاسی حکمراں ابوالحسون کو (جو بہت بڑا عالم بھی تھا) بے دخل کر دیا جو الجزائر میں ترکوں کی پناہ میں چلا گیا، صالح پاشا نے ابوالحسون کے ساتھ اس کا ملک واپس دلانے کے لئے ۹۶۱ھ میں فاس کو فتح کر کے المہدی کو بے دخل کر دیا، لیکن اسی سال المہدی نے ابوالحسون کو شکست دے کر اپنا قبضہ بحال کر لیا۔ ترکوں سے اختلافات کی بنا پر سلطان سلیمان نے المہدی کو ۹۶۴ھ میں قتل کرا دیا، المہدی کو قرآن کریم، صحیح بخاری اور دیوان متنبیؔ کے علاوہ کئی شعراء کے دیوان ازبر تھے، ان کے بعد ان کا لڑکا ابومحمد عبداللہ حکمراں ہوا اسنے پرتگیزوں سے کئی جنگیں لڑیں اور ۹۸۱ھ میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا مُتوکّل علی اللہ حکمراں ہوا اسے ابومروان عبدالملک نے شکست دی تو وہ سبستان شاہ پرتگال کو اپنی مدد پر لے آیا وہ سلا کے راستے القصر آیا وہاں ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں پرتگال کو ایسی فیصلہ کن شکست ہوئی جس سے اس کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا، ابومروان نے یہ لڑائی بستر مرگ سے لڑی تھی وہ لڑائی ختم ہونے سے پہلے ہی فوت ہوا اور مُتوکّل دریا میں ڈوب کر مرا۔ ابومروان کی بعد احمد المنصور الذّہبی بادشاہ ہوا، اس نے ٹمبکٹو اور کانگو تک کے علاقے فتح کر لئے یورپین طاقتوں سے اسکے تعلّقات دوستانہ تھے ملکہ الزبتھ سے اس کی مراسلت تھی۔ منصور نے بہت سی عمارتیں بھی بنائیں جن میں مراکش کا قصر بدیع، ۱۶ سال میں بن کر تیار ہوا لیکن مولای اسماعیل نے اپنے عہد میں اسے مسمار کرا دیا، اس کی وفات ۱۰۱۲ھ میں ہوئی۔ منصور کے بعد ملک خانہ جنگی کا شکار رہا پھر اسکے بعد زیدان نے اقتدار حاصل کر لیا۔ اسی عہد میں اندلسی مسلمانوں پر ایک اور قیامت آئی، ۸۹۷ھ میں غرناطہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ وہاں کس مپرسی کی زندگی گذار رہے تھے کہ

۱۰۱۶ھ/۱۶۰۱ء میں فلپ ثانی شاہ ہسپانیہ نے اندلس سے مسلمانوں کے نکل جانے کے لئے تین دن کی مہلت دی کہ اسکے بعد جو پایا جائے گا موجب قتل ہوگا چنانچہ صرف صوبہ اراگان سے ۷۴ ہزار مسلمان جلاوطن کئے گئے بہت سے مسلمان فاس، تلمسان وہران کی طرف چلے گئے تونس کے ترکی گورنر عثمان دائی نے ان کی بڑی دستگیری کی کچھ لوگ الجزائر، سلا اور تطوان میں آباد ہوئے۔

زیدان ہی کے وقت میں العرائش پر اسپین اور مہدیہ پر پرتگال کا قبضہ ہوگیا۔ اس نے ۱۰۳۷ھ میں انتقال کیا اس کے بعد کوئی قابل ذکر حکمران نہیں گزرا۔

فلالی شرفاء

فلالی شرفاء بنوسعد ہی کے قرابت دار ہیں، ان کے مورث اعلیٰ حسن بن قاسم بنی مریم کے زمانہ میں حجاز سے آکر سجلماسہ میں مقیم ہوئے انہی کی اولاد میں علی مثنی ہوئے جو موجودہ سلطان حسن ثانی کے اجداد میں سے تھے۔ سجلماسہ پر ان کی حکومت ۱۶۳۴ء سے شروع ہوتی ہے الشریف بن علی پہلا حکمران تھا، اس نے ۱۰۵۰ھ میں انتقال کیا اس کا بیٹا محمد بن الشریف ایک کمزور حکمران تھا اسے استحکام نہیں حاصل ہوسکا ایک مقابلے میں شکست دینے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مولائی رشید ۱۰۷۵ھ میں حکمران ہوا اسنے اپنی ۸ سالہ حکومت میں مراکش کو بہت استحکام بخشا۔ انگریز اسے "تافیلتہ اعظم[1]" کہتے تھے اس کی وفات ۱۰۸۲ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد اس کا بھائی مولائی اسماعیل ۲۶ سال کی عمر میں حکمران ہوا اسنے ۵۵ سال حکومت کی اس طویل عہد کو دیکھ کر عوام اسے لافانی سمجھنے لگے تھے

---

[1] تافیلات کا رہنے والا

اس کے عہد میں مراکش کو بہت استحکام حاصل ہوا..................

....

کرنل اسکاٹ لکھتا ہے "اسماعیل مراکشی سلاطین کی نسبت نہایت روشن خیال اور بیدار مغز سلطان گذرا ہے جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ میں نے ملک میں جس قدر رفاہ عام کی تعمیرات دیکھیں وہ سب کی سب اسی کے عہد کی بتائی گئیں۔"

اس کے عہد میں بقول مؤلف نزہت الہادی رباط و مکناس اور مراکش و فاس کی سڑکیں دن رات مسافروں سے معمور رہتی تھیں اور اکیلی عورت سرحد تلمسان سے وادنول تک سونا اچھالتی چلی جاتی تھی لیکن کسی کو معترض ہونے کا یارا نہ تھا۔ وہ پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کرتا چنانچہ جہاں کہیں اس کا چند دنوں کیلئے بھی قیام ہوتا وہاں ایک جامع مسجد تیار کرا دیتا اور ہر نماز وہاں جاکر پڑھتا قرآن کریم کا ایک نسخہ ہر وقت سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔"

اِسماعیلؒ کثیر العیال بھی تھا۔ یورپی حکومتوں سے بھی اِسماعیلؒ کے تعلّقات دوستانہ تھے بلکہ اس کا پلّہ بھاری تھا فرانس کا مشہور ادیب والٹیر اپنی تاریخ لوئی چہاردہم (مطبوعہ ۱۷۰۳ء) میں اسکے بارے میں لکھتا ہے۔

شاہ پرتگال، والیٔ ڈارمسٹاٹ، آرچ ڈیوک کا وزیر اور کیسٹل کا امیر البحر یہ سب یہاں تک اسکے سامنے ذلیل ہوئے کہ اس سے امداد کی التجا کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ لیکن مولائی اسماعیل جو اس زمانے کی مسلمان اقوام میں نہایت ہی جنگ جو اور کمال مُدبّر ظالم تھا، اسنے ایسی شرطوں پر مدد دینے پر رضامندی ظاہر کی جو مسیحیت کے لئے خطرناک اور شاہ پرتگال کے لئے باعثِ شرم تھیں اس نے بادشاہ مذکور سے اس کا بیٹا اور چند قلعے بطور کفالت مانگے بنابریں معاہدہ کی تکمیل نہ ہوئی اور عیسائی وحشیوں (مسلمانوں) کو دخل کئے بغیر اپنے ہی ہاتھوں سے ایک

دوسرے کو قتل و برباد کرتے رہے"۔ اِسماعیل نے سبطہ کے علاوہ تقریباً وہ تمام بندرگاہیں غیر ملکیوں سے خالی کرالیں جو عرصے سے ان کے قبضے میں چلی گئی تھیں اسے عمارات کا بھی بہت شوق تھا اس نے کئی عظیم الشّان عمارتیں بنوائیں اس نے ۱۸ سال کی عمر میں ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۷ء میں انتقال کیا۔[1]

جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اِسماعیل جیسے باجبروت بادشاہ کے لڑکے بھی سلطنت کا رعب برقرار نہ رکھ سکے۔ اِسماعیل کی اولاد میں مولای محمّد نے بحریہ پر خاص توجہ کی اور کئی جنگیں لڑیں ۱۱۸۹ھ میں فرانس سے صلح ہوئی، اس نے ترکی سلطان مصطفیٰ سے بھی دوستی رکھی اور دوسرے یورپی ممالک سے بھی معاہدے ہوئے اس نے اپنی لڑکی شریف مکّہ کی زوجیت میں دی اور علمائے حرمین پر زرِ کثیر خرچ کیا اس نے ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء میں پرتگالیوں کو ایک جنگ میں شکست دی۔ وہ اپنے ملک میں سلطان ترکی کا خطبہ بھی پڑھواتا تھا اس نے ۱۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ مولای سلیمان (م ۱۲۳۸ھ) کے نپولین سے گہرے تعلّقات تھے اس کے عہد میں ۱۲۲۶ھ میں بڑی بربری بغاوت سامنے آئی، اسکے بھتیجے عبدُالرّحمٰن نے ۱۲۴۶ھ میں جب فرانس نے الجزائر پر قبضہ کرلیا تو امیر عبدُالقادر کی مدد کی اور امیر کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کے سبب مراکش کو ۱۸۴۴ء میں فرانس سے شکست ہوئی، اسکے لڑکے مَولای مُحمّد کے عہد میں سبتہ میں تصرّف کے مسئلہ پر اہل اسپین نے ۲۰ ہزار کی فوج کے ساتھ مراکش پر حملہ کردیا اور اور تطوان تک بڑھ آئے (۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء) ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں اس بات پر صلح ہوئی کہ مراکش اسپین کو دس کروڑ فرانک ادا کرے جنوب سبطہ اور اٹلانٹک کے ساحلی شہر سوس (سانتاکروز) میں جگہ دے مشنری اسکولوں اور گرجوں کی اجازت ہو۔

---

[1] تاریخ مراکش ۱/۱۸۵ تا ۲۱۲ (ملخص)

اس کے بعد حسن سوم (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء-۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) حکمراں ہوا، اسے داخلی بغاوتوں کو فرو کرنے میں تقریباً پانچ سال لگے، یہ نہایت عالی ہمت اور دور اندیش سلطان تھا، سلطان نے ملک میں بہت سی اصلاحات کیں اپنی فوج کو انگریز اور فرانسیسی افسروں کے ذریعہ ٹریننگ دی اور اس کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کیا۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں سلطان نے طنجہ میں پریس قائم کیا اور اسپینی زبان میں ایک اخبار "المغرب الاقصیٰ" جاری کیا، اسکے بعد "یوبل ڈومراکو" جاری ہوا۔ پھر ۱۸۸۴ء میں "ٹائمز آف مراکو" نکلا وہ اپنی رعایا کی تنبیہ کے لئے فاس و رباط جارہا تھا کہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء تادلہ میں اس کی وفات ہوگئی اور رباط میں اس کا جنازہ لایا گیا۔

اس نے علماء سے فتویٰ لے کر مراکش میں تمباکو کی درآمد روک دی تھی سلطان اپنے اسلاف ہی کی طرح عالی ہمت واقع ہوا تھا ایک بار انگریزوں نے مراکش میں قدم جمانے کے لئے ایک ۱۶ نکاتی منصوبہ پیش کیا جسے اس نے نامنظور کر دیا۔

حسن کے بعد ان کا لڑکا مولائی عبد العزیز چہارم ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں ۱۶ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا جیسا کہ سلاطین مراکش کی تاریخ میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے عبد العزیز کی تخت نشینی کے موقع پر بھی قبائلی بغاوتیں ہوئیں جنکو دیکھتے ہوئے یورپی ممالک نے بھی طنجہ میں اپنی فوجیں اتار دیں جب سلطان نے باغیوں کو زیر کر دیا تو یورپی فوجیں بھی واپس ہوگئیں، سلطان کے عہد میں فوج میں بہت سی اصلاحات ہوئیں ان کے بھائی مولائی عبد الحفیظ نے ان کی اصلاحات کی وجہ سے ان پر مغرب زدگی کا الزام لگایا اور بغاوت کر دی چنانچہ انھوں نے فرانس کے مشورے پر استعفا دیدیا پھر مولائی عبد الحفیظ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں تخت نشین ہوئے لیکن جلد ہی ان کو بھی مستعفی ہونا پڑا۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء سے دار البیضاء اور کئی

———— صوبوں پر فرانسیسیوں نے اقتدار قائم کر لیا تھا اور اسی سال رباط کو تباہ کر دیا تھا، اب حکومت ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن چکی تھی، فرانس نے مولائی یوسف کو تخت پر بٹھایا جنھوں نے حالات کو دیکھتے ہوئے فرانسیسیوں سے مصالحت کا رویّہ اپنائے رکھا۔[1]

روم لانڈو (یونیورسٹی آف پیسفک میں اسلامی اور شمالی افریقی علوم کا پروفیسر) لکھتا ہے کہ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں مولائی یوسف کے ۱۸ سالہ صاحبزادے محمد الخامس سلطان ہوئے انھوں نے اپنی طنجہ کی تقریر میں مراکش کے عوام کے قانونی حق کی صراحت کی اور عرب دنیا سے تعلّقات پر زور دیا۔ مراکش کی جنگ آزادی (اگر محمد خامس کو دینی و دنیوی حکمراں نہ سمجھا جاتا) تو جیتی نہیں جا سکتی تھی۔[2]

سلطان محمد الخامس موجودہ حکمراں مولای حسن ثانی کے والد تھے وہ نہایت دور اندیش، بیدار مغز اور متقی سلطان تھے۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک بار مراکش کے کسی ساحلی شہر کے دورے پر گئے تو جب تک انکا وہاں قیام رہا کسی نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا[3] وہ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے عوام میں غیر معمولی طور پر مقبول تھے۔

روم لانڈو لکھتا ہے کہ محمد خامس کا احترام تمام گزشتہ سلاطین سے بڑھ گیا، تمام طبقات انھیں گویا پوجتے تھے اور اخیر میں تو انھیں ایک مقدّس بزرگ مانا جاتا تھا۔[4]

---

[1] تاریخ مراکش ۲/۲۲-۴۳ دائرۃ المعارف جلد ششم۔ [2] Hassan II King of Morocco by: Rom London P. 32 (London 1962)

[3] روایت شیخ تقی الدین الہلالی۔

[4] Hassan II P, 14.

موجودہ حکمراں شاہ حسن ثانی اپنے والد کی زندگی میں ان کے دست راست اور مشیر خاص اور مراکش کی تحریک آزادی میں انکے شریک کار تھے

حکومت فرانس نے ان دونوں باپ بیٹے کو ۲۰؍اگست ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء کو معمولی کپڑوں میں گرفتار کیا اور سرد موسم میں ہوائی جہاز کے فرش پر ڈال دیا اور جہاز کے پرواز کرنے لگا پھر وہاں سے ان قیدیوں کو ڈغاسکر لاکر ایک پرانے Corcica ہوٹل میں جس کی چھتیں ٹپکتی تھیں نظر بند کر دیا گیا جہاں انھیں نومبر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں مراکش واپس لایا گیا۔ اور ۳؍مارچ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء کو ملک آزاد ہوا[1]

جلاوطنی سے واپسی کے بعد اپنے والد کی طرف سے اہم عہدوں پر مقرر کئے گئے۔ پھر ۲۶؍فروری ۱۹۶۱ء کو سلطان محمد الخامس کی وفات کے بعد مراکش کے سلطان اور حکمراں ہوئے۔

شاہ حسن ثانی نے ہمیشہ معتدل رویہ اپنایا وہ عرب اور اسلامی ممالک کے بھی دوست ہیں اور اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یورپ سے بھی اپنے تعلقات دوستانہ رکھتے ہیں مگر اس میں خودداری کا پہلو ہاتھ سے نہیں دیتے چنانچہ ۱۶؍نومبر ۱۹۷۵ء کو) اسپین نے صحرا خالی کرنا چاہا تو اس پر قبضہ کرنے کے لئے انھوں نے چار لاکھ مراکشیوں کے ساتھ امن مارچ (مسیرۃ) کیا اور اسپین کے حملے کا خطرہ مول لیتے ہوئے صحرا پر قبضہ کر لیا۔ اس مارچ میں دینی روح بھی کارفرما تھی تمام لوگ دعا تلاوت اور نمازوں میں مصروف رہتے تھے صحرا میں پہونچ کر ان پر امن مجاہدین نے سب سے پہلے دوگانۂ شکر ادا کیا۔ جن میں ۱۳ ہزار عورتیں بھی شامل تھیں ان نہتے سپاہیوں کا نعرہ تھا "الکفاح الکفاح...... القرآن ھو السلاح" یہ صحرا ۹۰ سال سے اسپین کی قبضے

---

[1] Hasson II P, 49

میں تھا جسے آزاد کرانے کے لئے ان مجاہدین نے اپنے وطن سے صحرا کے مرکزی شہر العیون تک ۹۰ میل کا پیدل سفر کیا اور راستے کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس صحرا کی سرحدیں کئی ملکوں سے ملتی ہیں یعنی ایک ہزار میل موریتانیا سے، تین سو میل مراکش سے اور پچاس میل الجزائر سے اور اس کے باشندوں کی تعداد ۷۴ ہزار کے قریب ہے

یہ صحرا بھی دراصل افریقہ کے صحرائے اعظم کا ایک حصّہ ہے جسکی مسافت ۸۰ لاکھ کیلو میٹر مربع ہے اور جو تیرہ افریقی ممالک کی ملکیت ہے۔ اس صحرا کو یہ تاریخی امتیاز حاصل ہے کہ اسکے شمالی حصّے میں مجاہد اسلام حضرت عقبہ بن نافع ۶۲ھ میں یہاں پہونچے تھے۔

اس صحرا کی مادی اہمیت یہ ہے کہ فاسفیٹ (نیوکلیائی توانائی کے ایندھن) کی پیداوار کے لحاظ سے یہ دنیا میں چوتھے نمبر پر ہے ۱۹۸۰ء میں اسکی پیداوار ایک کروڑ ٹن ہو جائے گی اسی طرح اس کا سمندری ساحل دنیا کا ایک اہم ماہی گیری مرکز ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر مراکش، الجزائر، موریتانیا اور اسپین میں عرصے تک اس صحرا کے مستقبل کے بارے میں سیاسی مذاکرات ہوتے رہے مگر جب کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا تو مراکش نے عزیمت سے کام لیکر پرامن اقدام کا جو فیصلہ کیا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

صوفی سلسلے

مراکش کی کوئی تاریخ اس وقت تک نامکمّل رہے گی جب تک کہ صوفی سلسلوں کا تذکرہ نہ کیا جائے کیونکہ مراکش دراصل مجاہدین اور صوفیہ ہی کی کوششوں کے نتیجے میں سلطنتِ خداداد کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔

مراکش کے بیشتر صوفیہ تسبیح و مناجات کے ساتھ وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کے قائل اور اس پر عامل تھے اسلام ان کے لئے دین و حکومت دونوں کا سرمایہ تھا۔ عیسائیت کے زبردست اثر کو انہی صوفیہ نے ختم کیا اور عوام و خواص میں دینی بیداری کی لہر دوڑادی امیر شکیب ارسلاں موسیو بونہ موری سے نقل کرتے ہیں کہ گیارہویں صدی کے اواخر میں آرتھوڈاکس چرچ جو ساحل افریقہ پر مصر سے مراکش تک پھیلے ہوئے تھے رفتہ رفتہ ختم ہوتے گئے اور اسلام کے اوقیانوس و بحر محیط میں انکی حیثیت صرف گمنام جزیروں کی سی رہ گئی"۔ ؎

وہ مزید لکھتے ہیں کہ "ادریس اوّل کے جانشین صوفی عقیدہ کے پیرو تھے جو فاس اور تونس کی دانش گاہوں میں پڑھایا جاتا تھا جو افریقہ کے سب سے بڑے علمی مرکز تھے، اسی ذریعے سے سلسلہ قادریہ اندلس پہنچا پھر فاس منتقل ہوا دوسرا سلسلہ شاذلیہ شیخ ابو مدین اشبیلی کے بیک واسطہ مرید شیخ شاذلی نے جاری کیا جس کے تین حصے ہوئے اور شاذلیہ الجزائر میں اور قادریہ مراکش میں اور مدنیہ طرابلس الغرب میں پھیلا ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں الحاج عمر النوتی التیجانی نے وسط افریقہ میں مہدویت کا دعویٰ کیا اور سوڈان میں حکومت قائم کی پھر سوڈان میں ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء میں محمد احمد کا ظہور ہوا جن کے ساتھ ۵۰ ہزار فوج تھی، انھوں نے خرطوم کے محاصرہ میں جنرل گورڈون کو قتل کیا اور ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں سوڈان پر قبضہ کر لیا۔ اٹھارہویں انیسویں صدی میں قادری و شاذلی سلسلوں سے ہی تیجانی اور سنوسی سلسلے نکلے۔

سلسلہ قادریہ کے مشائخ گاؤں گاؤں مکتب کھولتے اور اپنے خرچ پر

؎ حاضر العالم الاسلامی ۲/۳۶۰ قاہرہ (۱۳۵۲ھ)

طلباء کو طرابلس قیروان جامع القرویین (فاس) اور جامعہ ازہر بھیجتے اور عیسائیوں کا دفاع کرتے۔

شاذلی سلسلہ کی بنیاد تیرہویں صدی مسیحی کے نصف اوّل میں پڑی جس کے ذریعہ مراکش تصوّف سے روشناس ہوا اور جس کا مرکز بوبریت تھا، اسکے شیوخ میں سے سیّدی العربی الدّرقادی ۱۲۴۹ھ/۱۸۲۳ء نے فرانس کا مقابلہ کیا تھا سلسلہ تیجانیہ کے بانی احمد بن محمّد التیجانی ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء تھے یہ سلسلہ الحاج عمر ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء کے ماتحت ۴۰ سال تک ٹمبکٹو سے اٹلانٹک تک حکمراں رہا۔ ۱۰ جنوری ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء کو ٹمبکٹو میں فرانس کے داخلے نے اسٹوڈارڈ کے الفاظ میں "چارلس مارٹل کے معرکہ ۰۰۰۰۰۰ کی یاد دلادی کیونکہ اگر فرانس کو یہ فتح نہ ہوتی تو افریقہ کے مستقبل کے نتائج بھی کچھ اور ہوتے"۔[۱]

فنِ تعمیر اور صنعت و حرفت

مراکشی تہذیب و تمدّن میں اسلامی اور مغربی تمدّن کے اچھے عناصر پہلو بہ پہلو جمع رہے ہیں مراکش نے بڑے سلیقہ سے مغربی تمدّن کی بے ضرر چیزوں کو اسلامی و عربی تمدّن میں رنگ لیا ہے اسی کے ساتھ وہاں افریقی تمدّن کی خصوصیات بھی برقرار ہیں۔ رودم لانڈو مراکشی فنون لطیفہ کے سلسلے میں لکھتا ہے "موحّدین کا کتیبہ مینار مراکش میں جیرالڈٹا در (مراکش)، بنی مرین کی مسجد و مدرسہ (فاس و تلمسان میں) اور سعدیین کے مقبرے قابل دید عمارتیں ہیں۔ جب یورپ ترقی پذیر ہو رہا تھا تو مراکش ذوق و نفاست کے وسائل سے کام لے رہا تھا اور اسکے معمار و باغ، قالین ساز،

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی ۲/۳۶۷-۳۹۸ (ملخص)

مالی اور باغبان اور صناع (جو دنیا کے بہترین بلیڈ بناتے تھے) یورپی نشأۃ ثانیہ کے پیشرو تھے"۔[1]

مولانا احمد بن خالد النّاصِری السّلاوی مولای اسماعیل کی تعمیرات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قلعۂ مکناس میں اس کی عمارتیں، اس کے محلّات، مسجدیں، مدرسے اور باغ غیر معمولی چیزیں تھیں جن کی مثال پیش کرنے سے ایران و یونان و روم و عرب اور ترک بھی قاصر ہیں"۔[2]

استاذ عبدُ اللہ کنونُ لکھتے ہیں کہ "منصور موحدی نے اپنے عہد کا سب سے بڑا ہسپتال بنایا تھا جس کے بارے میں صاحبُ المعجب کا کہنا ہے وَبنیٰ بمراکش مَارستانًا ما اظنّ انّ فِی الدُّنیا مِثلہٗ (اس نے مراکش میں ایسا ہسپتال بنایا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہ ہوگا) ادریس ثانی نے فاس اور ابن تاشفینؒ نے مراکش جیسے دار السّلطنت بنوائے"۔[3]

سنہ ۲۴۵ھ میں ایک مہاجرہ سیّدہ نے جامع القرویین بنوائی جس کا فیض آج بھی جاری ہے اور وہ آج ایک یونیورسٹی بن چکی ہے۔

عِلمُ و ادَب اورفنّ و ثقافت

مغربِ اقصیٰ (مراکش) کے مشہور اہل قلم استاد عبدُ اللہ کنونُ

---

[1] Hassan II King of Morocco' P. 30

[2] الاستقصا لاخبار دول المغرب الاقصیٰ ۴/۴۸ (مصر ۱۳۱۲)

[3] دعوۃ الحق (مراکش) مارچ ۸۰ء ۱۹

نے حال ہی میں مراکش کی علمی و ثقافتی خدمات پر ایک فاضلانہ مقالہ مساهمة المغرب فی بناء الحضارة العربية (عربی تمدن کی تعمیر میں مغرب کا حصہ) کے عنوان سے شائع کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مرابطین کے عہد میں ابنِ رُشد، ابنِ طفیل، ابنِ باجہ، ابنِ زہر نے ناموری حاصل کی اور موحدین کے عہد میں ان کے کارنامے سامنے آئے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ موحدی خلیفہ یوسف بن عبدالمؤمن ہی نے ابنِ رُشد کو فلسفۂ ارسطو کی تلخیص کا مشورہ دیا تھا وہ اپنے علمی شغف میں مامون عباسی کی نظیر تھا۔

قاضی عیاض (۵۴۴-۴۷۶ھ) مشاہیر علمائے اسلام میں سے ہیں ان کا تعلق بھی خاک مراکش ہی سے تھا وہ سبتہ کے رہنے والے تھے وہ بیک وقت محدث، فقیہ، ادیب، اور لغوی تھے، فتح بن خاقان نے قلائد العقیان میں ان کا تذکرہ کیا ہے، علامہ مقری نے ازهار الرياض کے نام سے انکی سوانح چار جلدوں میں لکھی ہے الشفاء کے علاوہ امام مالکؒ کے سوانح و افکار پر المدارك وتقريب المسالك في معرفة أعلام مذهب الامام مالك کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، ان کی کتاب مشارق الانوار في غريب الحديث والآثار کے بارے میں کہا گیا ہے [1]

مشارق انوار تبدت بسبتة ومن عجب كون المشارق بالمغرب

(سبتہ میں روشنیوں کے مطالع ظاہر ہوئے حالانکہ مغرب میں ان کا ہونا باعث تعجب ہے)

---

[1] بعض لوگوں نے اس کا نام مشارق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار لکھا ہے۔ زرکلی نے لکھا ہے کہ وہ حدیث میں امام زمانہ اور تاریخ وانساب عرب کے ماہر یگانہ، سبتہ اور غرناطہ کے قاضی رہے اور مراکش میں وفات پائی ان کی اور کتابوں میں الالماع، التاریخ۔ اور شرح صحیح مسلم ہیں (الاعلام ۵/۲۸۲) الشفاء، سیرت کے اہم مآخذ میں سے ایک ہے۔

نحو میں ابن آجروم صنہاجی نے رسالۃ الآجرومیۃ اور سیبویہ کی الکتاب کا مدخل لکھا۔ اسی جیسی شہرت ابوموسیٰ جزولی صاحب کراسہ اور ابن معطی صاحب الفیہ نے بھی حاصل کی جس کے طرز پر ابن مالک نے الفیہ لکھی۔ علم لغت میں ابن طیّب عاسی نے پچاس ۵۰ سے زائد کتابیں لکھیں، ان کے حواشیٔ قاموس سے علّامہ زبیدی نے بھی استفادہ کیا اور انھیں اپنا استاذ مانا۔

شعر و ادب میں ابن حبوس فاسی، ابن ہانی کے برابر اور کاتب ابوجعفر بن عطیہ ابن زیدون کا ہمسر ہے۔ الجراوی صاحب صفوۃ الادب (جسے حماسہ مغربیّہ کہا جاتا ہے) اور ادیب و شاعر:۔ مالك بن مرحل کا کلام متعدّد دواوین پر مشتمل ہے ابن ابی ربیع نحوی کے جواب میں اس کی کتاب الضّربُ بالعصی وَالرّمی بالحصی ہے اس نے دوبیت مجزو کی بحر ایجاد کی جس میں اس کی نظم کا شعر ہے ؎

الصّبُ الیٰ الجمال مَائِل وَالحبّ لصدقہٖ دلائل

شعراء و ادباء میں ابن زاکور صاحب دیوان و شارح حماسہ (عنوان النفاسۃ) و شارح قلائد العقیان شاعر و فلسفی احمدُ الجزنائی، عصر سعدیین ابوفارس عبدالعزیز قشتالی گزرے ہیں، قشتالی کے بارے میں منصور ذہبی کا کہنا تھا کہ نفتخرُ بہٖ علیٰ مُلوك الارض وَنبَاری لسان الدّین ابن الخطیبُ۔ (ہم اس کی وجہ سے دنیا کے بادشاہوں کے مقابلے میں فخر کرسکتے اور ابن الخطیب کا مقابلہ کرسکتے ہیں)

تاریخ و تراجم میں المراکشی، ابن عذاری، ابن زرع، ابنُ القاضی القشتالی، الافرانی، الزّیانی، الناصری، ابن جعفر الکتانی اور ابن زیدانی وغیرہ بہت اہمیّت رکھتے ہیں۔

جغرافیہ میں شریف ادریسی نے بطلیموس کے بعد دنیا کا صحیح نقشہ

مرتّب کیا اور چاندی کا کرۂ ارضی بنایا۔ مجمع علمی عراقی نے اس کا خریطہ شائع کیا ہے اور ایک عراقی فاضل ڈاکٹر احمد سوسہ نے اِس پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اٹلی میں مستشرقین نے اس کی کتاب نزھۃ المشتاق کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ علّامہ بہجۃ الاثری نے بھی اسے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے یورپ سے ابن بطوطہ کے سفر نامے کا ترجمہ حواشی کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اسے وہاں سند کی حیثیت حاصل ہے۔

پوپ سلفسٹر ثانی نے فاس میں تعلیم حاصل کی تھی وہ طلیطلہ میں بھی طالب علم کی حیثیت سے رہ چکا تھا اس نے یورپ کو ارقام عربیّہ سے واقف کرایا۔

اِبنُ الیاسمین (صاحب تلقیح الافکار) ماہر ریاضیات گزرا ہے حساب وجبر میں اس کا ارجوزہ بہت مشہور ہے۔ اِسی کا ہم پلّہ ابن البناء العددی ہے جس کی کتابوں کے یورپ میں ترجمے ہوئے ہیں اور مغربی ریاضین نے اس کے بعض نظریئے اپنائے ہیں جیسا کہ ریاضی داں فرانسی شال کا کہنا ہے۔ سائنس کا مورخ جارج سارٹن کہتا ہے کہ تقویم زمانی کا لفظ اس کی کتاب مِنھاج الطّالب فِی تعدیل الکواکب سے لیا گیا ہے، علم الحساب میں اس کی التّلخیص بھی مشہور ہے، دوسری کتاب رفع الحجاب ہے جسے ابن خلدون جلیل القدر کہتا ہے۔

ابو علی الحسن بن علی مراکشی قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا ریاضی داں جس کی کتاب المبادی والغایات فی علم المیقات کے بارے میں مُلّا چلبی کہتے ہیں کہ انّہ اعظم ما صنف فی ھذا الفنّ (یہ اپنے فن کی بہترین کتاب ہے)

طب میں یوسف بن سمعون یہودی (رفیق موسیٰ بن میمون) ابو القاسم الوزیر صاحب المفردات الطبیّہ، ابوشقرون مکناس صاحب الشقر وغیرہ نام آور ہوئے۔

مرتّب کیا اور چاندی کا کرۂ ارضی بنایا۔ مجمع علمی عراقی نے اس کا خریطہ شائع کیا ہے اور ایک عراقی فاضل ڈاکٹر احمد سوسہ نے اِس پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اٹلی میں مستشرقین نے اس کی کتاب نزھۃ المشتاق کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔ علّامہ بہجۃ الاثری نے بھی اسے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے یورپ سے ابن بطوطہ کے سفرنامے کا ترجمہ حواشی کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اسے وہاں سند کی حیثیت حاصل ہے۔

پوپ سلفسٹر ثانی نے فاس میں تعلیم حاصل کی تھی وہ طلیطلہ میں بھی طالب علم کی حیثیت سے رہ چکا تھا اس نے یورپ کو ارقام عربیّہ سے واقف کرایا۔

اِبنُ الیاسمین (صاحب تلقیح الافکار) ماہر ریاضیات گزرا ہے حساب وجبر میں اس کا ارجوزہ بہت مشہور ہے۔ اسی کا ہم پلّہ ابن البناء العددی ہے جس کی کتابوں کے یورپ میں ترجمے ہوئے ہیں اور مغربی ریاضین نے اس کے بعض نظریئے اپنائے ہیں جیسا کہ ریاضی داں فرانسی شال کا کہنا ہے۔ سائنس کا مورخ جارج سارٹن کہتا ہے کہ تقویم زمانی کا لفظ اس کی کتاب مِنھاج الطّالب فِی تعدیل الکواکب سے لیا گیا ہے، علم الحساب میں اس کی التّلخیص بھی مشہور ہے، دوسری کتاب رَفعُ الحجاب ہے جسے ابن خلدون جلیل القدر کہتا ہے۔

ابو علی الحسن بن علی مراکشی قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا ریاضی داں جس کی کتاب المبادی والغایات فی علم المیقات کے بارے میں مُلّا چلبی کہتے ہیں کہ انّہ اعظم ما صنف فی ھذا الفن (یہ اپنے فن کی بہترین کتاب ہے)

طب میں یوسف بن سمعون یہودی (رفیق موسیٰ ابن میمون) ابو القاسم الوزیر صاحب المفردات الطبیّہ، ابو شقرون مکناس صاحب الشقرونیہ نامور ہوئے۔

دائرۃ المعارف لکھنے کی طرف بھی مغربیوں نے پہلے توجہ کی مثلاً عبدالرحمٰن الفاسی نے الاقنوم فی مداخل العُلوم لکھی جس میں ڈیڑھ سو علوم پر بحث کی یہ کتاب نظم میں ہے۔ ابوعلی الحسن الیوسی نے فارابی کی احصاء العلوم کے طرز پر القانون فی احصاء العُلوم لکھی۔

انشاپردازی کے سلسلے میں شیخ محمد بیرم تونسی صاحب صفوۃ الاعتبار کہتے ہیں کہ "عربی انشاپردازی بڑی حد تک مراکش ہی تک محدود رہی ہے"

شمس تبریز خاں

دو ہفتے

مغرب اقصیٰ (مراکش) میں

از

ابو الحسن علی حسنی ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو ہفتے
مغرب اقصیٰ (مراکش) میں

مغرب کے سفر کی تمنّا اور اس کی تکمیل

مجھے مغرب اقصیٰ کی زیارت کا عرصہ سے شوق تھا، اسلامی تاریخ تہذیب، علوم اسلامیہ، ادب و شاعری، فنّ تعمیر سب میں وہ ایک جداگانہ شخصیت کا مالک اور مستقل دبستان فکر ہے، یہاں اسلام کو اپنی اثر انگیزی، کیمیاگری اور اپنی اندرونی صلاحیتوں اور باطنی قوت کے اظہار کا پورا موقع ملا۔ اور اس نے بربر جیسی ناقابل تسخیر قوم کو مسخر کر کے اسلام کی عالمگیر قومیت کا ایسا جزو بنا دیا اور اس کو اسلامی عربی تہذیب میں اس طرح تحلیل کر دیا کہ اس کے ایک فرد طارق بن زیاد نے پہلی صدی کے آخر میں اسپین (اندلس) کو اسلامی قلمرو میں اس طرح شامل کیا کہ آٹھ سو برس تک مسلسل وہ اسلام کا حلقہ بگوش اور اسلامی تہذیب، علوم و فنون کا مرکز رہا۔ طارق کے ساتھ بارہ ہزار شہ سوار تھے جن میں عرب برائے نام تھے باقی سب بربر تھے، شمالی مغربی افریقہ میں عظیم الشّان حکومتیں قائم ہوئیں جن کا ڈنکا برقہ اور طرابلس سے لے کر بحر اطلس کے ساحل اور اس سے بھی آگے بڑھکر یورپ (اندلس) میں صدیوں تک بجتا رہا ان حکومتوں میں فاطمیین[1]

---

[1] اہل سنت عرب مؤرخین میں سے اکثر ان کو عبیدین کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ان کو خاندان نبوّت سے ان کے انتساب میں بڑا شبہہ ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول سلطان صلاح الدین ایوبی سے متعلق مضمون۔

——— مرابطین و موحدین کی طاقتور حکومتیں (جن کو شہنشاہی کہنا زیادہ صحیح ہوگا خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان میں آخر الذکر (دولۃ الموحدین) کے بانی بربری نسل سے تعلق رکھتے تھے اس ملک نے علوم کتاب وسنت میں قاضی عیاض، ابو القاسم عبدالرحمٰن السہیلی (شارح سیرۃ ابن ہشام) ابو الولید الباجی، قاضی ابوبکر ابن العربی، فلسفہ تاریخ و تمدن میں عبدالرحمٰن بن خلدون، جغرافیہ میں محمد بن محمد الادریسی، تنقید شعر و ادب میں (ابن رشیق) قیروانی، سیاحت عالم میں ابن بطوطہ جیسے سرآمد روزگار علماء و مصنفین پیدا کئے جن کی کتابوں کو علماء مشرق نے صدیوں تک حرز جاں بنائے رکھا جہاں تک ارباب قلوب اور اہل باطن کا تعلق ہے۔ اہل مغرب کی علو استعداد، بلند ہمتی اور روحانی ولدنی علوم سے ان کی خداداد مناسبت سب کو اس درجہ تسلیم ہے کہ کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے کہ مشرق انبیاء کی سرزمین اور مغرب اولیاء کی سرزمین ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ ابوالحسن الشاذلی بانی سلسلہ شاذلیہ محمد بن سلیمان جزولی صاحب دلائل الخیرات، سیدی عبدالعزیز الدباغ صاحب الابریز کا نام لینا کافی ہے۔

لیکن عجیب اتفاق ہے کہ بدنامی کی حد تک میری جہاں نوردی اور سیاحی کے باوجود اس حال میں کہ ۱۹۶۳ء میں اسپین کے سفر کی بھی سعادت نصیب ہوئی، افریقہ کی یہ شمالی مغربی پٹی جو طرابلس (لیبیا) سے شروع ہو کر طنجہ تک چلی جاتی ہے ہمیشہ چھوٹی رہی، برّاعظم افریقہ میں مجھے صرف مصر و سوڈان کے سفر کا موقع ملا۔ مجھے کچھ تو تاریخ کے مطالعہ کے بناپر اور کچھ اس وجہ سے کہ استاذ محترم ڈاکٹر شیخ تقی الدین الہلالی اور عزیز دوست و رفیق استاذ محمد العربی کی صحبت سالہا سال تک میسر رہی وہ مراکش

لہ اول الذکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ ادب عربی کے اعلیٰ استاذ اور مصنف اور اس کے رفقاء عزیز مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی وغیرہ کے محبوب استاذ ہیں۔ ثانی الذکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تدریس کے زمانہ میں مصنف کے رفیق، مخلص دوست، سفر و حضر اور سیر و شکار کے ساتھی تھے۔

اور مغرب اقصیٰ کا تذکرہ اٹھتے بیٹھتے کرتے، وہاں کی تہذیب و معاشرت، خصوصیات کا ذکر کرتے، ان کی گفتگو سے اس سرزمین رنگ و بو کو دیکھنے کا اور شوق پیدا ہوا۔ جلالۃ الملک حسن ثانی شاہ مراکش نے ایک مرتبہ بڑے اصرار سے مراکش آنے کی دعوت دی، عرصہ سے ان کا معمول ہے کہ رمضان المبارک میں وہ مختلف ممالک کے ممتاز علماء کو قصر شاہی میں درس دینے کے لئے مدعو کرتے ہیں۔ خود بڑے اہتمام سے اس میں شرکت کرتے ہیں، حاضرین کی بڑی تعداد ہوتی ہے، ریڈیو ٹیلی ویژن پر بھی ان دروس کے نشر کا انتظام کیا جاتا ہے، آخر میں وہ خود تقریر کرتے ہیں وہ بھی مرتب اور شائع کی جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں خود میرے یہاں قیام و مشغولیت کا ایک نظام کئی سال سے جاری ہے جس میں مخصوص احباب اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلباء شریک رہتے ہیں۔ اسلئے میں نے اس موقع پر حاضری سے معذرت کی۔ اس طرح وہاں حاضری اور مغرب کو دیکھنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ لیکن اس میں بھی بڑی حکمت تھی اس لئے کہ اگر اس موقع پر جانا ہوتا تو مجھے ملک کے دیکھنے کا اور مختلف طبقوں کے سربرآوردہ نمائندہ اشخاص سے آزادانہ ملنے اور خاص طور پر علماء، اہل فکر، ماہرین تعلیم اور سیاسی رہنماؤں سے ملنے کا اطمینان سے موقع نہ ملتا۔

میری اس دیرینہ آرزو کی تکمیل کا غیبی سامان اس طرح ہوا کہ اپریل ۱۹۷۶ء کی کسی تاریخ کو جمعیۃ الجامعات الاسلامیہ (جس کا نام اب رابطۃ الجامعات الاسلامیۃ ہو گیا ہے) کا دعوت نامہ آیا۔ یہ دعوت نامہ ہندوستان اس وقت پہنچا جب میں حجاز مقدس میں تھا۔ جمعیۃ الجامعات الاسلامیۃ اسلامی جامعات یونیورسٹیوں اور اعلیٰ اسلامی دانشگاہوں کا ایک وفاق ہے جس کی بنیاد چند سال

پہلے مغرب کے دارالسّلطنت رباط میں پڑی تھی اور وہیں اس کا صدر دفتر ہے۔ تین سال پیشتر اس کی مجلسِ منتظمہ کا اجلاس مدینہ طیّبہ میں ہوا تھا، میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ کی مجلسِ اشاری کی تقریب میں اتّفاق سے وہاں موجود تھا۔ مجھے ناظم ندوۃ العلما کی حیثیت سے اس کی رکنیت کا شرف بخشا گیا، اس وقت سے میں اس کا رکن ہوں لیکن مجھے اس کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کی نوبت نہیں آئی تھی شاید میں اپنی مصروفیت، طول مسافت اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے اس مرتبہ بھی معذرت کر دیتا لیکن اس کا علم رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد صالح القزاز کو ہوا، ان کو خود اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی تھی لیکن قریبی تاریخوں میں موریتانیا میں رابطہ کی طرف سے ایک کانفرنس منعقد ہو رہی تھی جس میں ان کو شرکت کرنی تھی انھوں نے مجھے اپنے بجائے اس کانفرنس میں رابطہ کا نمائندہ منتخب کر دیا اور صدر جمعیّۃ شیخ محمد الفاسی کو اس کی اطّلاع کر دی، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے میرے عزیز رفیق سفر مولوی محمّد رابع ندوی کے سفر کے سب انتظامات مکمّل کر دیئے اس کے بعد میرے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ میں نے اس کو تائید غیبی سمجھ کر سفر کا فیصلہ کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مغرب کی زیارت، دید و شنید، اپنی کہنے اور دوسروں کی سننے کے لئے اس سے بہتر موقع و ماحول نہیں ہو سکتا تھا۔ مغرب میں یہ بہار کا موسم تھا، کانفرنس کی وجہ سے عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ سے ممتاز علماء و اہلِ فکر آئے ہوئے تھے، تھوڑے وقت میں بہت کچھ دیکھنے اور سمجھنے، منتخب اجتماعات، چیدہ مجلسوں میں شرکت اور برگزیدہ شخصیتوں سے ملنے کی آسانیاں فراہم تھیں، ہر شخص کی زبان پر تھا کہ آپ بڑے اچھے موسم اور بڑے اچھے موقع پر آئے۔

جدّہ سے الدّار البیضاء تک

چہارشنبہ ۵، مئی سنہ ۱۹۷۶ء

سہ شنبہ ۴، مئی ۱۹۷۶ء کو مکہ معظّمہ میں نمازِ عصر کے بعد اچانک معلوم

ہوا کہ کل بعد نماز فجر جدّہ سے الدّار البیضاء (کاسا بلانکہ) کے لئے روانہ ہونا ہے۔ یہ اطلاع میرے لئے خلاف توقع اور کسی حد تک پریشان کن تھی خیال تھا کہ کانفرنس ۱۱ رمئی سے شروع ہونے والی ہے اس لئے اس سے ایک دو روز پہلے روانگی ہوگی۔ چونکہ مجھے مراکش کے بعد لندن کا سفر بھی کرنا تھا اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے قانونی طور پر ضروری تھا کہ میں سعودی ایر لائنز سے سفر کروں، جس نے جدہ سے لندن تک اور لندن سے بمبئی تک ٹکٹ بغیر کسی اضافہ اور زائد رقم کے بنا دیا تھا۔ بمبئی کے محبّی صوفی عبد الرحمٰن صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی کوشش کی تھی۔ عزیزان سیّد حسن عسکری طارق اور سیّد مصباح النّبی حسنی سلّمہ نے مکہ آکر اطّلاع دی کہ ساری کاروائی مکمل ہوگئی ہے آپ کو ابھی بعد مغرب جدّہ چلنا ہے اور صبح سات بجے سعودی طیّارہ سے الدّار البیضاء کے لئے روانہ ہو جانا ہے، اگرچہ اس طرح ہم کانفرنس سے پانچ دن پہلے پہنچ رہے تھے اس میں کئی طرح کی زحمتیں تھیں لیکن چار و ناچار اس کو گوارا کرنا پڑا۔ سعودی ایر لائنز کا جہاز صرف بدھ کو جدّہ سے کاسا بلانکہ جاتا ہے (دار البیضاء) ہمارے اس جہاز سے سفر کرنے میں ایک کشش کی بات یہ تھی کہ وہ اس پوری شمالی پٹی پر سے پرواز کرتا ہے اس کا پہلا اسٹیشن طرابلس دوسرا تونس، تیسرا الجزائر، چوتھا اور آخری الدّار البیضاء ہے۔ یہ سب مقامات ہمارے لئے بڑی کشش رکھتے تھے، اور ان پر ایک طائرانہ نظر پڑ جانا بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا، یہ حکمت تو بعد میں معلوم ہوئی کہ ہمارے لئے یہ جہاز ہر طرح سے موزوں تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی مملکت مغربیّہ کا جہاز مراکو ایر لائنز دوسرے راستہ سے جاتا تھا جس میں فی الحال ہمارے لئے کوئی کشش نہ تھی۔

ہم صبح ناشتہ کے بغیر ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہوئے اس لئے کہ ایک گھنٹہ پہلے پہنچنا ضروری ہوتا ہے، نور ولی خاں[1] کے متعدّد افراد جو ہمارے جدّہ کے

---

[1] عبد الغنی محمد نور ولی فرم کے مالک جو تقریباً ۱۰۰ سال سے حجاز میں مقیم ہیں۔ بقیہ حاشیہ ۵۵ پر

میزبان ہوتے ہیں اور جن میں الحاج محمد نور اور عزیزی محمد ولی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
نیز متعدّد ہندوستانی احباب پہونچانے آئے۔ رابطہ کا نمائندہ ضروری دفتری کارروائی میں
مدد کرنے کے لئے موجود تھا جہاز کی روانگی میں تقریبًا دو گھنٹہ کی تاخیر ہوئی اور وہ بجائے
ساڑھے سات بجے کے ساڑھے نو بجے روانہ ہوا جہاز میں قدم رکھا تو یہ دیکھ کر نہایت
مسرّت ہوئی کہ اسی جہاز سے الجامعۃ الاسلامیّہ مدینہ منوّرہ کا وفد جو دو ارکان نائب رئیس
الجامعہ شیخ عبدالمحسن بن عباد اور استاذ جامعہ شیخ ابوبکر الجزائری پر مشتمل ہے اسی جہاز پر
سفر کر رہا ہے، ان کی سیٹیں فرسٹ کلاس میں ہماری ہی سیٹوں کے سامنے تھیں، یہ دونوں
حضرات نہایت گرمجوشی سے ملے اور خیر مقدم کیا، میری سیٹ کے بالکل آگے مشہور اخوانی
رہنما و مصنّف شیخ محمد الغزالی کی سیٹ تھی معلوم ہوا کہ اسی جہاز سے کلّیۃ الشریعہ مکہ مکرّمہ
(جس کا الحاق جامعۃ الملک عبدالعزیز جدّہ سے ہے) کے پچاس طالب علم حکومت
سعودیہ کے خرچ پر مغرب کی سیر (ٹور) پر جا رہے ہیں۔ ان کے نگراں کلّیۃ الشریعہ کے
موقّر استاذ شیخ محمد الغزالی ہیں۔ میں اس غیر متوقع رفاقت اور صحبت کے خیال سے باغ باغ
ہو گیا۔ ۱۹۵۱ء میں میرا مصر میں تقریبًا پانچ مہینہ قیام رہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ اخوان کو قید و بند
اور دار و رسن کی آزمائش کے بعد کسی قدر سانس لینے کا موقع ملا تھا، مجھے اخوان کی تحریک
کے مرکزوں اور ان کے سرگرم و فعال حلقوں میں جانے کا شوق تھا، میری کتاب (ماذا
خسر العالم بانحطاط المسلمین) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) کے ذریعہ
جو تازہ تازہ شائع ہوئی تھی اور جس کو اخوان نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا وہ مجھ سے غائبانہ
واقف تھے وہ ہر ایسے مہمان کا گرمجوشی سے خیر مقدم کرنے کے لئے بے چین تھے جو ان
کے زخم پر مرہم رکھنے اور ان سے ہمدردی کرنے کے لئے تیار ہو۔ نیز اس کی

اور جنھوں نے اپنی اسلامی و ہندوستانی خصوصیات برابر قائم رکھی ہیں۔ اسی خاندان کے مالک
الحاج عبدالقادر نور ولی تھے۔ جن کا ۱۳۹۹ھ میں انتقال ہوا۔

باتوں اور تقریروں میں ان کو اپنے محبوب داعی وبانی امام شہید حسن البنا کی کچھ بو محسوس ہوتی ہو۔ میرا ہفتوں معمول رہا کہ میں ہر جمعہ کو قاہرہ کے کسی مضافاتی مقام یا کسی قریبی ضلع کا سفر کرتا ان دوروں میں شیخ محمدؒ الغزالی کی رفاقت ضروری تھی اور وہ اخوان کے صحیح نمائندہ اور معتمد ترین اشخاص میں سے تھے، ان کی شخصیت بڑی دلآویز، جامع و متوازن اور انکی تقریریں بڑی مؤثر و دل پذیر ہوتی تھیں وہ ایک ممتاز ازہری عالم بھی تھے اور اخوان کے حلقہ کے اس وقت سب سے بڑے مصنّف، نقیب و ترجمان اور الحاد و تجدّد کے جو اخوان کی تحریک کو کچل دیئے جانے کے بعد سر اٹھانے اور اسلام کے عقائد و حقائق سے شوخیاں کرنے لگا تھا، دینی حلقہ میں سب سے بڑے حریف اور مدِّ مقابل تھے۔ میں ۵۰ء میں حجاز کے قیام کے دوران ان کی بعض تصنیفات کے ذریعہ ان سے واقف اور ان کا قدر دان بن گیا تھا، جمال عبدالنّاصر کے عہد میں جب دین کی وکالت کرنا کلمۂ حق عند سلطان جائر" کے بالکل مرادف بن گیا تھا اور بالعموم زبانوں اور قلموں پر مہر لگ گئی تھی کئی بار مصری پارلیمنٹ میں ان کی آواز گونجی اور انھوں نے اپنے کو خطرہ میں ڈال کر اعلانِ حق کیا، اب پورے ربع صدی کے بعد ہم دونوں دوست مکہ معظّمہ میں ایک دوسرے سے ملے تھے لیکن زیادہ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، ان کے بغل میں جو صاحب بیٹھے تھے میں نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے تھوڑا سا موقع دیں شیخ محمد الغزالی نے اس پر بڑی مسرّت کا اظہار کیا اور کہا میں اس کا منتظر تھا، اس ہوائی سفر میں وہ دیر تک اس پر آشوب دور کی باتیں کرتے رہے، جب اسلام اور عربوں کی عزّت کو داؤں پر لگا دیا گیا تھا اور زندگی بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی، انھوں نے بتایا کہ انھوں نے کس طرح اس تاریک ترین دور میں ایک حق گو عالم اور ایک مجاہد داعی کا فرض انجام دیا، اخوان کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے امکانات پر دیر تک گفتگو رہی۔

ساڑھے چار گھنٹے کی طویل پرواز کے بعد طرابلس الغرب کے ہوائی

اڈہ پر جہاز اترا، لیکن مسافروں کو اترنے کی اجازت نہیں ملی اور ہم لوگ حسرت سے سنوسی مجاہدین کے اس دار السّلطنت کو طائرانہ نظر سے دیکھتے رہے جس پر پاکباز مجاہدین کا قیمتی خون پانی کی طرح بہا اور اس کے نتیجہ میں یہ ملک آزاد ہوا لیکن آج اسی سرزمین میں ان کا نام لینا بھی خطرہ سے خالی نہیں، جن کے خون گرم اور اشک سحر گاہی کے نتیجہ میں اس ملک کے لوگوں کو عزّت، دولت اور حکومت ملی احسان فراموشی کی ایسی مثال بھی کہیں ملے گی؟

ایک گھنٹہ کے بعد تونس آگیا، یہاں غنیمت تھا کہ مسافروں کو اترنے کی اجازت ملی، ہوائی اڈہ پر اگرچہ پانی کا انتظام تھا لیکن مغربی غسل خانوں کی طرح اس سے استفادہ اور طہارت حاصل کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا، البتہ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک کمرہ "بیت الصّلوٰۃ" کے نام سے نماز کے واسطے مخصوص ہے جہاں ہم لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی بعض ہندوستانی طلباء سے تعارف ہوا جو کلیۃ الشریعہ میں زیر تعلیم ہیں۔

تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد الجزائر آگیا، یہاں بھی اترنے کی اجازت نہیں مسیرۃ (صحرا میں مارچ) کے بعد سے مغرب اور الجزائر کے تعلّقات کشیدہ ہیں جہاز سے جو کچھ نظر آتا تھا اس سے شہر کی وسعت وتنظیم اور ملک کی سرسبزی وشادابی کا اندازہ ہوتا تھا یہاں تک پہنچ کر وقت میں خاصا فرق پڑ گیا تھا، ایک گھنٹہ بیس منٹ یعنی غروب سے نصف گھنٹہ پیشتر الدار البیضاء آنے والا تھا۔

الدّار البیضاء میں

بالآخر جہاز نے الدار البیضاء (کاسابلانکہ) کے ہوائی اڈہ پر اترنا شروع کیا، دل ایک طرح کی خوشی سے موجزن اور کسی قدر فکر سے مضطرب ہونے لگا، کہ اگر وہ تار جو جدّہ سے جمعیۃ الجامعات کے سکریٹری کو دیا گیا تھا نہیں پہنچا تو ہم لوگ کہاں جائیں گے؟ رباط (جہاں کانفرنس کو منعقد ہونا ہے) یہاں سے کتنی دور ہے درمیان کے یہ پانچ دن کہاں اور کس طرح گزارے جائیں گے بالآخر جہاز اترا ہم لوگ ایک تردد اور کشمکش کی حالت میں جہاز سے باہر آئے کوئی آدمی ہمارے استقبال کے

لئے نہ تھا۔ اجنبی ملک میں پہلا سفر کسی سے واقفیت نہیں، ایک امید وبیم کی حالت میں ہم ہوائی اڈہ پر کھڑے تھے۔

لیکن یہاں اردو کا وہ شعر جو بار ہا پڑھا تھا ایک حقیقت بن کر سامنے آگیا۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

اور یہ تو مسلمانوں اور عربوں کا شہر تھا جن کی مسافر نوازی اور مہمان داری ضرب المثل ہے ہم اس پس وپیش میں کھڑے تھے کہ چند حضرات شیخ عبدالمحسن اور استاذ ابو بکر الجزائری کی طرف بڑھے اور ان کا نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ جماعت الدعوۃ الی اللہ کے افراد ہیں جن کو ان کے پہنچنے کی اطلاع تار سے مل گئی تھی کچھ لوگ ہماری طرف بھی بڑھے جب انکو ہمارا نام معلوم ہوا تو انھوں نے کتابوں کے ذریعہ اپنی واقفیت کا اظہار کیا وہ موٹریں لے کر آئے تھے اور شیخ عبدالمحسن اور استاذ ابو بکر الجزائری کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، شیخ عبدالمحسن نے میرا اور عزیزی محمد رابع کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔

موٹر ہوائی اڈہ سے روانہ ہوئی جو الدّار البیضا سے تقریباً بیس میل پر واقع ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے میزبان محمد الحریزی الوراق ہیں وہ الدّار البیضا کے ایک معزز زمیندار اور رئیس آدمی ہیں موٹر ایک وسیع اور شاندار کوٹھی کے سامنے رکی جو ایک محل سرا کے مشابہ تھی وہاں شدہ شدہ جماعت کے افراد کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی جس سے اندازہ ہوا کہ سلفی دعوت کا کام خاصا وسیع اور موثر ہے، سب آنے والے بڑے جوش وخروش اور مسرّت سے مل رہے تھے اور مرحبا بکم، لا باس علیکم کہتے تھے۔

ہماری مسرّت وحیرت کی انتہا نہ رہی کہ تھوڑی دیر بعد ہمارے محترم استاذ ڈاکٹر تقی الدّین الہلالی اچانک داخل ہوئے وہ ان حضرات کی آمد کی اطلاع پر اپنے

مستقر مکناس سے جو یہاں سے سو میل کے قریب ہوگا، تشریف لائے تھے۔ استاذ وشاگرد کو غیر متوقع طریقہ پر مل کر جو خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں دیر تک دعوت کی پیش رفت ومشکلات پر تبصرہ اور علمی ودینی گفتگو ہوتی رہی پھر نماز پڑھی گئی اور کھانا کھایا گیا، اگرچہ مکان میں مہمانوں کے قیام کی پوری گنجائش اور راحت کا پورا سامان تھا، لیکن شیخ عبدُ المحسن بن عباد نے اصرار کیا کہ ہم چاروں آدمی ہوٹل میں ٹھہریں گے، میزبان نے انکے اصرار سے مجبور ہو کر ہم کو ہمراہ لیا۔ یہاں الدار البیضاء میں تین بڑے ہوٹل ہیں جو علی الترتیب یہاں کے بڑے ہوٹل سمجھے جاتے ہیں۔ الدار البیضاء مرحبا۔ المنصور،

پہلے ہم لوگ ہوٹل منصور کی طرف گئے وہاں جواب ملا عامر عامر (پُرہے پُرہے) اس مقصد کے لئے یہ لفظ کہیں نہیں سنا تھا دوسرے عرب ممالک میں اسی موقع کے لئے (ملیان) کہتے ہیں جس سے عامر کہیں زیادہ بلیغ اور عربیت سے قریب ہے، اس سے میرے اس پرانے خیال کی تصدیق ہوئی جو عرب قبائل جزیرۃ العرب سے نکل کر مختلف مفتوحہ ممالک میں گئے وہ اپنے ساتھ اپنی مخصوص عربی تعبیرات بھی لے گئے، جو صدیاں گزر جانے کے بعد ان ملکوں میں اب بھی محفوظ ہیں، اس طرح عربی زبان کا ذخیرہ مختلف عرب ملکوں میں منتشر لیکن مجموعی طور پر محفوظ ہے ایک "اچھا ہے" ہی کے لفظ کو لے لیجئے عراق میں اس کو "زین" کہیں گے۔ شام میں "ملیح" مصر میں "کویّس" جو کیّس کی تصغیر ہے۔ اور حجاز میں "طیب"۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ عامر کے مقابلہ میں خالی کے لئے "خاوی" استعمال ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے لئے دوسرے عرب ممالک میں خالی یا فاضی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، منصور کے بعد "مرحبا" کی باری آئی اس نے بھی ہم لوگوں کو "مرحبا" نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی پُرہے اب الدار البیضاء میں قسمت آزمائی کرنی تھی، شکر ہے اس نے ہمارا خیر مقدم کیا اور اس میں جگہ نکل آئی، اس ہوٹل میں تین سو کمرے ہیں اور وہ یورپ کے بڑے سے بڑے ہوٹل سے اپنے وسعت وانتظامات میں کسی طرح کم نہیں۔

الدار البیضا کی سیر اور اس کا مختصر حال

پنجشنبہ ۶؍ مئی

رات آرام سے گزری موسم خوشگوار اور کسی قدر خنک ہے وسط نومبر میں جیسی خنکی ہمارے ملک میں ہوتی ہے ویسی یہاں مئی کے شروع مہینہ میں تھی ساحل سمندر پر ہونے کی وجہ سے موسم نسبتاً معتدل ہے۔ ہوٹل کے ایک پڑھے لکھے ملازم سے معلوم ہوا کہ کاسا بلانکہ" اسپینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سفید گھر یا الدار البیضاء ہے اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں بحر اطلس کے اس ساحل پر پرتگیزی ملاح جہاز رانی اور تجارت کرتے تھے اس جگہ پر کچھ کچے مکانات اور جھونپڑے پڑے تھے جن پر سفید چونے کی قلعی ہوتی تھی، یہ ملاح کہا کرتے تھے" کاسا بلانکہ" پہونچکر ہم دم لیں گے۔ اور کھانا کھائیں گے اس وقت سے اس شہر کا یہ نام پڑگیا۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ مغرب کے اس عظیم ترین شہر کے متعلق جو بر اعظم افریقہ کا دوسرا سب سے بڑا شہر (اوّل نمبر قاہرہ کا ہے) شمار ہوتا ہے اور اس کو مغرب کا "العاصمۃ التجاریۃ" یا "العاصمۃ المالیۃ" کہتے ہیں معلومات نہایت ناقص تھی اور مجھے اس کی وسعت و عظمت کا کوئی تخیل ہی نہ تھا۔ کل ہمارے میزبانوں نے بتایا تھا کہ اس کی موجودہ آبادی بیس تیس لاکھ کے درمیان ہے۔ ۳۲ء کے ایک سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی دو ڈھائی لاکھ سے زیادہ نہیں تھی یہ وہ بدقسمت شہر ہے جس کی وجہ سے مغرب کو فرانس کا غلام بننا پڑا ۱۹۰۷ء میں الدار البیضا کے بندرگاہ کا ٹھیکہ فرانس کی ایک کمپنی کو دیا گیا ۳۰ جولائی کو فرانسیسی اور عرب مزدوروں کے ایک جھگڑے کے باعث جو کسی بزرگ کی قبر کی اہانت کی بنا پر عرب مزدوروں کے اشتعال کا سبب بن گیا اور اس کے نتیجہ میں چھ یا سات یورپین مقتول ہوئے تھے، فرانس کو اس وسیع و زرخیز ملک کو غلام بنانے کا بہانہ مل گیا اور انھوں نے رباط کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مختلف صوبہ

جات پر دوامی تسلّط حاصل کر لیا جس کا خاتمہ ۱۹۵۵ء میں فرانسیسیوں کے کلی انخلاء اور سلطان محمّد الخامس کی تخت نشینی پر ہوا۔

کل رات کھانے میں ایک طالب علم سیّد عبدُ الرّحمٰنؒ سے ملاقات ہوئی تھی جن کو صحیح مسلم سنداً و متناً حفظ ہے ان سے وعدہ تھا کہ وہ آج آئیں گے ان کی رہبری میں شہر کے قابل دید مقامات اور تاریخی آثار کی سیر کی جائے گی وہ کسی وقت ہوٹل آئے لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ مجبوراً ہم ظہر تک معطّل بیٹھے رہے آخر کار کل کے میزبان محمّدُ الحریزی تشریف لائے اور ہم لوگوں کو الحاج مصطفےٰ ابن ہاشم کے مکان پر لے گئے جہاں دوپہر کا کھانا کھانا تھا۔ کھانے کے بعد دیر تک مجلس رہی اور دیر میں واپسی ہوئی۔

عصر کے بعد شہر کی سیر کے لئے نکلے، شہر نہایت وسیع وخوش اسلوب اور نو تعمیر ہے۔ سیوٹزرلینڈ کے شہر جنیوا سے اس کو بڑی مشابہت ہے، بندرگاہ پر ایک چھچلتی ہوئی نظر ڈالی، جدید محلوں کو دیکھا۔ شہر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور فیشن ایبل حصہ "الفا" کی سیر کی۔ کئی مکتبوں میں بھی جانا ہوا۔ جن میں مکتبہ الرشاد اور مکتبۃ الثقافہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اپنی بعض تصنیفات کے بارے میں دریافت کیا معلوم ہوا کہ موجود ہیں۔ جامع محمدی میں مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد شیخ ابوبکر الجزائری کا درس ہوا حاضرین کی خاصی تعداد تھی۔ نوجوانوں کی ایک جماعت نے ملاقات کی ایک نوجوان نے خود مجھ سے پوچھا کیف الشیخ ابوالحسن الندوی؟ میں نے کہا تم ان کو کہاں سے جانتے ہو، اس نے کہا کہ ماذا خسر العالم کے ذریعہ میں نے کہا کہ تم جس سے مخاطب ہو وہی اس کتاب کا مصنّف ہے، ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ حالات سے غیر مطمئن اور بعض دین پسند اور اسلام دوست داعیوں کی گرفتاری سے آزردہ اور حکومت کے رویہ کے شاکی ہیں۔

رات کا کھانا ایک تیسرے عرب دوست عمر محسن بن محمد کے یہاں کھایا ایک مہمان جو یہاں کے بڑے تاجر ہیں۔ میری کتاب (مذاکرات سائح) کے دو نسخے

خرید کر لائے تھے مجھے ہدیہ کیا اس پر یہ لفظ لکھے کہ یہ کتاب خود مصنّف کو ہدیہ ہے دیر سے واپسی ہوئی۔

مکناس میں جمعہ، ۷ مئی

رات کو طے ہو گیا تھا کہ صبح ناشتہ کے بعد مکناس کی طرف جانا ہو گا جو مغرب کا ایک تاریخی قدیم شہر ہے اور عظیم روحانی مرکز رہا ہے۔ ڈاکٹر تقی الدّینؒ الہلالی کل دن ہی کو روانہ ہو چکے تھے، آج انھیں کی اقتداء میں وہاں جمعہ کی نماز پڑھنی ہے لیکن بعض رفقاء کی مشغولیت کی وجہ سے روانگی سات بجے کے بجائے دس بجے ہو سکی، ہماری موٹر دار البیضا سے باہر نکلی تو نہایت خوبصورت مناظر پر فضا، سرسبز وادیاں ملنی شروع ہوئیں جنکو دیکھ کر کسی کسی وقت محسوس ہوتا تھا کہ ہم کشمیر میں ہیں تھوڑی دیر بعد مغرب کا موجودہ دار السلطنت رباط آگیا جہاں ہم کو تین دن کے بعد واپس آنا تھا اسلئے اس سے گزر گئے۔ تاخیر سے نکلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم جب مکناس میں داخل ہوئے تو جمعہ کی نماز تیار تھی ہم اس مسجد میں نہیں پہنچ سکے جہاں ہلالی صاحب نماز پڑھاتے ہیں، ہم لوگوں نے نماز جمعہ شہر کی بڑی مسجد جامع ایران میں پڑھی۔ خطیب کے خطبہ کا موضوع قرآن مجید کی آیت تھی وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلاحی ذہن رکھنے والے متبع سنّت عالم ہیں، نماز کے بعد اجتماعی درود شریف اور دعا ہوئی، نماز کے بعد الحاج محمّد بن مصطفےٰ ابن سعید کے مکان پر جماعت الدعوۃ الی اللہ کی طرف سے اجتماعی کھانا ہوا قیام فندق الرّیف میں ہوا رات کے کھانے کے لئے ہم لوگ پھر اسی مکان پر گئے، کھانے کے بعد شیخ تقیُ الدّینؒ الہلالی نے مجھ سے کہنے کی فرمائش کی اور اشارہ کیا کہ توحید کے موضوع پر تقریر ہو تو بہتر ہے، میں نے رسالت کی اہمیّت خدا کی ذات وصفات کی صحیح معرفت کے تعلیمات نبوت پر انحصار کے موضوع پر مختصر تقریر کی۔

افسوس ہے کہ وقت کی تنگی اور رفقاء کی پابندی کی وجہ سے ہم یہاں کے تاریخی مقامات علماء اور صلحاء کی قبور کی زیارت سے مشرّف نہ ہوسکے۔

فاس کا تاریخی شہر

شنبہ ۱۸ مئی

صبح فاس کو روانگی ہوئی راستہ نہایت خوبصورت و سرسبز تھا فاس مملکت کا دوسرا بڑا شہر اور مغرب کا اہم ترین روحانی و علمی مرکز ہے اس کی حیثیت اس ملک میں اپنی مردم خیزی اور علمی مرکزیت کی حیثیت سے وہی ہے جو ہندوستان کے تحتی براعظم میں دہلی، لکھنؤ، لاہور اور ملتان کی ہے، اس کی بنیاد بڑے مبارک ہاتھوں سے بڑی مبارک گھڑی میں رکھی گئی، ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۹۲ھ کو خاندان نبوت کے چشم و چراغ سیدی ادریس حسنی ثانی نے اپنے تبر (فاس) سے دور کھینچ کران الفاظ میں دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ اجعلنا دار علم وفقہ یتلی بھا کتابک وتقام بھا حدودک واجعل اھلھا متمسکین بالسُّنّۃ والجماعۃ ما ابقیتھا۔

ان کی یہ دعا قبول ہوئی، یہ شہر تقریباً بارہ سو سال سے سرچشمہ علوم وفنون بنا ہوا ہے۔ جامعۃ القرویین جس سے اس شہر کو زینت اور فخر حاصل ہے اور جو اس لحاظ سے کہ عالم اسلام کی قدیم ترین جامعہ ہے اس میں کسی دور انتشار میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور جس میں فاضل ترین علماء مغرب نے تعلیم حاصل کی اور درس دیا، صدیوں تک حدیث وفقہ، تفسیر اور عقائد وکلام کی تعلیم کا مرکز رہا۔ ہمارے قیام رباط کے زمانہ میں وزارت تعلیم کی طرف سے ہم کو کئی جلدوں میں ایک ضخیم کتاب جامعۃ القرویین کے نام سے دی گئی جس میں تفصیل کے ساتھ اس کی تاریخ، اس سے انتساب رکھنے والے فضلاء کا تعارف اور اس کے عہد بعہد احوال بیان کئے گئے ہیں، اس مختصر مضمون میں اس کے علمی و دینی کارناموں اور اس اہم کردار پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی جو اس نے

مغرب کی دینی، علمی، روحانی، اخلاقی نیز سیاسی زندگی میں ادا کیا ہے۔ ہندوستان کی بلند پایہ دینی درسگاہوں کی طرح اس کے فضلاء نے ملک کو غیر ملکیوں کی غلامی سے آزاد کرانے سیاسی جدوجہد اور اپنے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا، اور اس کے علماء نے جنگ آزادی کے ہراول دستے کا کام کیا بلکہ اسی نے حمیت اسلامی غیرت ایمانی اور جہاد فی سبیل اللہ کا صُور پھونکا، ملک کا کوئی قابلِ ذکر مجاہد اور سیاسی رہنما ایسا نہیں جو بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا خوشہ چیں اور اس کے چشمہ فیض سے سیراب نہ ہوا ہو۔

۱۹۳۰ء میں جب فرانسیسی سیاست کی حکمت عملی نے بربروں کو جو ملک کے قدیم واصلی باشندے ہیں، عربوں سے جدا کرنے کا فتنہ کھڑا کیا اور ان میں بربری قومیت کا احساس بیدار کرنے، دخول اسلام سے پہلے کی تہذیب، رسوم وروایات، عائلی قانون، بربری عرف و رواج کو زندہ کرنے اور اپنی قدیم بربری زبان کو عربی کے بالمقابل خط وکتابت، تصنیف تالیف کی زبان بنانے اور اس کے لئے نیا رسم الخط اختیار کرنے کی دعوت دی جو گویا بربروں کو اسلام سے کاٹنے اور عربوں سے جدا کرنے کی ایک ایسی تدبیر تھی جس میں بربروں کے لئے جادو کا اثر تھا، وہ اس مقصد کے لئے بعض سرکار پرست ارکان حکومت کی مدد سے "اَلظَّهِيْرُ الْبَرْبَرِيُّ"[1] کے جاری کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ وہ فتنہ عالم آشوب تھا جس کی مثال مغربی استعمار کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے یہ عربوں اور بربروں دونوں کی غیرت وذہانت کا نازک امتحان تھا اور اسی پر اس ملک میں اسلام کے مستقبل کا انحصار، یہ میرے طالب علمی کے آخری دورِ شعور کا واقعہ ہے، مجھے یاد ہے کہ عربی کے وہ اخبارات جو مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے تھے اور جن میں مصر کا الفتح پیش پیش تھا۔ ان مضامین سے پر ہوتے تھے جن میں اس پر سخت بے چینی اور تشویش کا اظہار ہوتا تھا۔ اسی موقعہ پر جامعۃ القرویین

---

[1] مغرب میں شاہی فرمان کو الظہیر کہتے ہیں۔

نے رہنمائی اور پوری قوم کو ملک کی ہر مسجد و مدرسہ میں ایک وظیفہ پڑھنے کی تلقین کی جس کے الفاظ یہ تھے۔

یالطیف الطف بنا فیما جرت به المقادر
ولا تفرق بیننا و بین اخواننا البرابر

دیکھتے دیکھتے یہ وظیفہ ہر ایک کے ورد زبان ہوگیا، سارے ملک میں اضطراب و اضطرار الی اللہ اور دعا و ابتہال کی ایک لہر دوڑ گئی، فرانس کا سحر سامری ٹوٹ گیا۔ بربروں نے اس دام ہم رنگ زمین کا شکار ہونے سے انکار کر دیا، ان کی اسلام اور اس کی تہذیب سے وفاداری میں کوئی فرق نہیں آیا اور فرانسیسی حکمت عملی ناکام رہی۔

مراکش اور فاس بار بار دار السّلطنت بنتے رہے، اس وقت وہ سیاسی دار السّلطنت تو نہیں ہے لیکن علمی و روحانی دار السّلطنت ضرور ہے۔ یہیں سیّدی ادریس الثانی بانی فاس کا مزار ہے جو زاویہ مولای ادریس کے نام سے مشہور ہے (یہاں حسنی سادات کو مولائی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں) ان کے علاوہ سیّد عبدالعزیز الدباغ، شیخ عبدالقادر الفاسی اور کثیر التعداد علماء و اولیاء کے مزارات ہیں۔

ہم لوگ سیدھے الحاج مصطفیٰ ابن ہاشم کی کوٹھی پر پہونچے جو شہر کے باہر ایک پُر فضا مقام پر ہے وہیں شیخ تقیُ الدّینْ الہلالی بھی مقیم تھے، دیر تک ان سے مجلس رہی جس میں لکھنؤ کی یادیں تازہ ہوئیں اور ندوۃ العُلَمَاء کے زمانہ قیام کے حالات و واقعات کا تذکرہ رہا۔ کچھ دیر آرام کے بعد ہم لوگ جامعۃ القرویین (جدید) کی سیر کے لئے نکلے۔ اب اس قدیم جامعۃ القرویین کے نام سے جو پہلے جامع القرویین ہی میں تھی، ایک نئی یونیورسٹی کا قیام ہوگیا ہے۔ اب وہ قدیم جامعہ صرف نماز و زیارت کے لئے رہ گئی ہے۔ یونیورسٹی کی عمارت جو ابھی مکمل نہیں ہوئی شاندار اور ایک فوجی بارک سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ ہم پہلے کلیۃ الآداب میں گئے وہاں پہلے ڈاکٹر عبدالسّلام

الہراس سے ملاقات ہوئی جو کلیہ کے لائق استاذ اسلامی ذہن رکھنے والے ادیب نہایت ذہین، خوش تقریر، مطالعہ کرنے والے فاضل ہیں۔ ہمارے ان کے تعارف کا ذریعہ وہی ماذاخسر العالم..... کی تصنیف تھی جس کا مطالعہ انھوں نے اس کے شائع ہونے کے بعد ہی کیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اس دور میں کہا کرتے تھے کہ اس کو پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھنا چاہیے جس نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ کلّیۃ الآداب کو یونیورسٹیوں کی فکری قیادت میں اب تقریباً وہی مقام حاصل ہے جو قدیم زمانہ میں شعبۂ فلسفہ اور بیسوی صدی کے اوائل میں سائنس کے شعبہ کو حاصل تھا اب اسی کے صحیح و غلط رُخ اور اساتذہ کی اسلام پسندی، اسلام بیزاری پر ذہین نوجوانوں کی سیرت سازی اور ذہنی صورت گری کا انحصار ہے اور مولانا روم کے اس حکیمانہ شعر کی حقیقت اسی شعبہ میں سمجھ میں آتی ہے۔

ہرچہ گیرد عِلّتی علّت شود
کفر گیرد مِلّتی ملّت شود

اس لئے اس شعبہ میں، لائق، صحیح الفکر اساتذہ کی موجودگی بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس لحاظ سے کہ ڈاکٹر عبدُ السّلام الہراس کا (جو صالح ادب اور صالح اقدار کے پرجوش داعی ہیں) وجود بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے، انھوں نے ہماری ملاقات کلیۃ الآداب کے پرنسپل ڈاکٹر محمود تازی سے کرائی، کچھ دیر ان سے ادب کے مفہوم سے اور اس کے حدود پر گفتگو ہوتی رہی۔

وہاں سے ہم لوگ کُلیّۃ الشّریعہ میں آئے اس کے عمید (پرنسپل) مولای عبدالواحد العلوی سے ملاقات کی۔ وہ دیر تک بڑی طلاقت لسانی سے گفتگو کرتے رہے۔ وہاں اچانک ڈاکٹر صالح الاشتر سے ملاقات کی۔ میں ۱۹۵۶ء میں جب دمشق یونیورسٹی کی دعوت پر محاضرات کے لئے گیا تھا تو وہ اس وقت وہاں ادب و نحو کے بڑے اساتذہ میں تھے، وہ اچھے صاحبِ نظر، صاحب ذوق ادیب و فاضل استاذ ہیں۔

دیر تک دمشق کے خوشگوار دنوں کی یاد تازہ کی جو ہر حیثیت سے بہتر و مبارک تھے ہم لوگ (ایک دوسرے سے مل کر) بہت خوش ہوئے۔

یہاں سے ہم نے جامع القروین کا رُخ کیا۔ جو قدیم شہر میں واقع ہے یہاں پرانے تمدّن کی پوری جھلک نظر آئی اور اس کی گلیوں سے وہ بوئے انس آئی جو جدید شہر میں مفقود ہے اور جو اب بھی عطر بیز اور دلآویز ہے۔ پتھر کے فرش کی تنگ گلیاں جن میں بارش ہو جانے کی وجہ سے بہت احتیاط سے چلنا پڑتا ہے، ان گلیوں میں ہم کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم لکھنؤ اور حیدرآباد کے پرانے محلوں سے گذر رہے ہیں۔ کہیں رنگ ریزوں کا بازار "سوق الصبّاغین" تھا اور کہیں تانبے کے برتن اور سامان بنانے والوں کا بازار "سوق النحاسیین" گدھا، یہاں عام ذریعہ حمل ونقل ہے جو بے تکلف سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے، ایک گلی کے دہانے پر ایک تعویذ لکھنے والے اور جادو ٹوٹکا کرنے والے صاحب مصروف کار تھے۔

ہم لوگ قروین کے کتب خانہ میں گئے یہاں تیس ہزار مطبوعہ کتابیں اور چھ ہزار مخطوطات ہیں، اتنا مختصر وقت تو اس عظیم کتب خانہ کو دیکھنے کے لیے قطعاً کافی نہ تھا اس کے لئے تو کئی ہفتے چاہیئے تھے۔ لیکن "مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ" پر عمل کرتے ہوئے ہم نے اس کے فاضل مہتمم الشیخ محمد سعید الفاسی کی نگرانی میں جو ہمارے محترم مرحوم دوست زعیم مغرب، استاذ علال الفاسی کے ابن عم ہیں اس کتب خانہ کے مخطوطات ونوادر پر ایک عاجلانہ نظر ڈالی، مغرب میں ہر مصنّف کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کی کتاب اس کتب خانہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرے جو علماء مغرب کا مرکز توجہ تھا۔ جن کتابوں کو ہم جلدی میں دیکھ سکے، ان میں الندرولی کی دو جلدوں میں مؤطا کی شرح دیکھی جو ہرن کی کھال (رق) پر لکھی گئی ہے اور واحد مخطوطہ ہے۔ دسویں صدی کے اواخر کا ایک مخطوطہ ساعد بغدادی کی کتاب "الفصوص فی اللغۃ" اس کے صرف

دو نسخے مغرب میں ہیں۔ ہروی کی کتاب "کتاب الغریبین" دیکھی جو غریب القرآن اور غریب الحدیث پر مشتمل ہے۔ یہ آٹھویں صدی کا مخطوطہ ہے۔ سلطان مغرب یعقوب المرینی کی والدہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید دیکھا جو آٹھویں صدی کا مخطوطہ ہے۔ اس میں ہر پارے میں دو جزو ہیں۔ ابن الحزام المرادی کی کتاب "تنبیہ الانام" کی زیارت کی، اس میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ اسم پاک "اللہ" اور اسم گرامی محمد ؐ کو ہر جگہ سونے کے پانی سے لکھا گیا ہے۔ قدیم ترین مخطوطات میں مدونہ کا قدیم نسخہ پانچویں صدی کا مخطوطہ ہے اور کتاب الجیل کا عربی ترجمہ چھٹی صدی کا مخطوطہ ہے۔ مصنّفین کی ہاتھوں لکھی ہوئی کتابوں میں حی بن یقظان کے مصنّف ابن طفیل کا فنّ طب میں ایک منظومہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مقدمہ ابن خلدون کا ایک نسخہ جس پر حواشی خود ابن خلدون کے قلم سے ہیں اور اس میں کچھ اضافے بھی ہیں، عام خیال ہے کہ سیرت ابن اسحاق کا نسخہ مفقود ہے لیکن یہاں اس کا ایک مخطوطہ دیکھا، ندرت و غرابت کے لحاظ سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ جد ابن رشد کی فقہ مالکی میں ایک کتاب البیان والتحصیل دیکھی جو ہرن کی کھال پر لکھی گئی ہے۔ کتاب میں تین سو ستّر صفحات ہیں، ہر صفحہ میں ایک ہی ہرن کی کھال استعمال ہوئی ہے جو اسکے بازو پر سے اتاری جاتی ہے اس طرح اس کتاب کی کتابت میں ۳۷۰ ہرن کام آئے اور بقول ایک رفیق کہ اس وقت جنگل کا جنگل ہرنوں سے خالی ہو گیا۔ اس سے علماء قدیم کے علمی شغف اور علم کی قدر دانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتب خانہ سے اس طرح سے نکلے کہ دماغ و دل نوادر کے اس خزانہ سے متاثر تھے ہم نے جامع القرویین کا رخ کیا، مسجد کے اندرونی دالان و صحن میں گئے جہاں چپہ چپہ پر علماء نامدار درس و تدریس کا ہنگامہ گرم کئے رہتے تھے اور پوری مسجد قال اللہ وقال الرّسول کی صدا سے گونجتی اور یہاں علم و تحقیق کے دریا بہتے، آج یہاں بالکل سنّاٹا تھا اور اردو شاعر کے یہ دو شعر بالکل حسب حال تھے۔ ؎

ے

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

بالاخانہ پر بھی گئے اور دھوپ گھڑی بھی دیکھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس مسجد کے قبلہ میں کچھ انحراف ہے اور لوگوں نے اس کو اسی طرح باقی رکھا ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر اور سینہ پر داغ۔ لے کر اپنے میزبان الحاج مصطفےٰ فلالی کے یہاں واپس ہوئے۔ کھانا کھایا HOLYDAYINN ہوٹل میں قیام تھا وہاں آرام کیا۔ بعد نماز مغرب ڈاکٹر الھراس کے مکان پر چائے تھی۔ وہیں کلیۃ الآداب کے دوسرے استاد شاہد بوشیخی سے ملاقات ہوئی، یہ بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں تبلیغی جماعت سے مانوس اور اس کی رفاقت کر چکے ہیں، صحیح الفکر سنجیدہ نوجوان ہیں، حاجی مصطفےٰ کے مکان میں رات کا کھانا کھایا اور ہوٹل واپس ہوئے۔

افران کی سیر

۹ر مئی یکشنبہ

صبح کا ناشتہ ڈاکٹر الھراس کے مکان پر تھا، وہیں مولای مصطفےٰ علوی جو دارالحدیث الحسنیہ رباط کے عمید (پرنسپل) ہیں اور المجلس الاعلیٰ للجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ کے رکن ہونے کی وجہ سے اُن سے سال میں ایک دو مرتبہ ملاقات ہو جاتی ہے تشریف لائیے۔ بڑی محبت اور تپاک سے ملے۔ انھوں نے افران کی سیر کی دعوت دی، جو مغرب کا گویا کشمیر ہے، ساڑھے نو بجے روانگی ہوئی مکناس میں تھوڑی دیر ھِلاَلِی صاحب کے مکان پر صحبت رہی کچھ دیر رئیس مجلس علماء کے مکان پر ٹھہرتے ہوئے افران کے لئے روانہ ہوئے۔

سارا راستہ خوبصورت، قدرتی مناظر سے معمور تھا، ظہر کے وقت ہوٹل میں پہنچے جو نہایت شاندار اور خوش منظر ہے، وہاں ان طلباء کے وفد کا انتظار رہا جو جدّہ سے ہمسفر تھے اور بعض قابل دید مقامات کی سیر کرتے ہوئے یہاں ان کو دوپہر کا کھانا کھانا تھا، ہم لوگ نماز سے فارغ ہوئے اور وہ حضرات آگئے ہماری نشست شیخ محمد الغزالی کے پہلو میں تھی، لطف صحبت اور لطف طعام نے کام ودھن اور ذہن و دماغ دونوں کی ضیافت کی، شعراء کا منتخب کلام پڑھا جاتا رہا۔ جس میں شیخ محمد الغزالی نے نمایاں حصّہ لیا۔ کھانے کے بعد رباط کو روانگی ہوئی مغرب سے آدھ گھنٹہ پہلے رباط پہنچ گئے۔ (   ) ہلٹن ہوٹل میں قیام ہوا۔

دارالسّلطنت رباط میں
۱۰ر مئی دوشنبہ

آج دارالسلطنت" رباط الفتح "میں قیام کا پہلا دن ہے، اس شہر کی بنیاد بڑی مبارک تقریب میں پڑی تھی، اس وقت مسلمانوں کا ستارۂ اقبال اپنے پورے عروج پر تھا وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے تھے اس میں کامیابی ہوتی تھی "ذلاقہ" کی جنگ (۱۵ رجب ۴۷۹) کے بعد جس میں امیر المسلمین یوسفؒ بن تاشفین بانی سلطنت مرابطین کے ہاتھوں اندلس کے عیسائیوں کو جو بار بار اشبیلیہ اور قرطبہ کی عرب اسلامی حکومتوں پر حملہ کرتے تھے شکست فاش اٹھانی پڑی اور اس کے نتیجہ میں سو برس تک اندلس میں اسلامی اقتدار کو استحکام حاصل ہوگیا لیکن طلیطلہ (TOLADDO) کی عیسائی حکومت جو اندلس سے مسلمانوں کے اخراج کے درپے تھی، کا دباؤ بڑھتا گیا، ادھر مسلمانوں میں سیاسی شعور کی کمزوری باہمی افتراق (جو مسلمانوں کی پرانی بیماری رہی ہے) اور دشمن کی طاقت اور اس کے عزائم سے غفلت نے بچے کھچے اسلامی اقتدار کو پھر ایک مرتبہ موت وحیات کے دوراہے پر لا کھڑا کیا۔ ایسے نازک

وقتوں میں اندلسی مسلمانوں اور حکام کو مغرب اقصیٰ کی جوان سال، حوصلہ مند اور طاقتور حکومتوں ہی سے سہارا مل سکتا تھا اور وہ عین وقت پران کو موت کے منھ سے نکال لیتی تھیں چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ایسا ہی ایک فیصلہ کن مرحلہ پیش آیا، طلیطلہ کے عیسائی حاکم الفونس نے ہمیشہ کے لئے اسلامی حکومت کا چراغ گل کر دینا چاہا اس وقت شمالی مغربی افریقہ میں موحدین کی طاقت ور حکومت قائم تھی جس کا داعی محمد بن تومرت ( ) اور حقیقی بانی عبدالمومن بن علی (۵۵۸) تھا جو بربری النسل تھا اور جس کا سکہ برقہ و طرابلس سے لے کر طنجہ اور تطوان یعنی بحر اطلس کے ساحل تک رواں تھا اور اس پورے وسیع رقبہ میں انھیں خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں اس وقت عبدالمومن کا پوتا ابو یوسف یعقوب المنصور (۵۵۴-۵۹۵ھ) مسند خلافت و حکومت پر متمکن تھا سلطان شہاب الدین غوری کا معاصر ہے الفونس کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ اسنے یعقوب المنصور کو خود عربی میں خط لکھوایا جس میں صاف صاف حملہ کی دھمکی اور یہ طنزیہ جملہ تھا کہ اگر تم سمندر عبور کر کے یہاں نہیں آسکتے تو ہم خود تمہاری تواضع کے لئے آتے ہیں۔ خاندان موحدین کے اس مومن (نبیرۂ عبدالمومن) سلطان نے خط کی پشت پر یہ آیت لکھ دی جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو لکھی تھی "ارجع الیھم فلناتینھم بجنود لاقبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون" اسی کے ساتھ یہ جملہ بھی لکھ دیا" الجواب ماتری لاما تسمع (اس کا جو کچھ جواب ہے تم آنکھوں سے دیکھ لو گے پیغام کی ضرورت نہیں) یہ وہ جملہ ہے جو خلیفہ معتصم نے باز نطینی سلطان کے خط کے جواب میں لکھا تھا، اسنے اپنی پوری مملکت میں اسلامی جیوش کو مجتمع ہونے کا حکم دیا۔ اور (۵۹۰ھ) میں اندلس کا رخ کیا، شعبان ۵۹۱ھ میں مرج الحدید (ہسپانیا) کے میدان میں اسلامی عیسائی افواج کا سامنا ہوا۔ یعقوب المنصور نے الفونس کو ایسی شکست دی جو برسوں تک اسپین میں ضرب المثل رہی اور ہندوستان میں پانی پت کے آخری جنگ سے بہت مماثلت رکھتی ہے سلطان یعقوب

نے جب اسپین سے فاتحانہ مراجعت کی ہے تو اس کے جلو میں چالیس ہزار اسیران جنگ، ایک لاکھ خچر، اسی ہزار گھوڑے، چار لاکھ گدھے ساٹھ ہزار زرہ اور پچاس ہزار چھولداریوں کا مال غنیمت تھا، شکرانے میں اس نے شہر رباط کی بنیاد رکھی، اس عظیم الشان نصرت و کامیابی کی یادگار میں اس کا نام رباط الفتح تجویز کیا، یہ ساحل سمندر پر "سلا" نام کے تاریخی متبرک شہر کے پہلو میں واقع ہے۔ اولوالعزم سلطان نے اس کو اسکندریہ کی منصوبہ بندی اور فوجی استحکام کے نمونے پر دریائے "سلا" کے کنارے جانب قبلہ آباد کیا۔

صبح ناشتہ کے بعد طبیعت میں تقاضا پیدا ہوا کہ میں اس ملک کے ماضی و حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان تازہ ترین تجربات کی روشنی میں جو اسلامی ملکوں کے بارے میں اپنی طویل سیاحت کے دوران حاصل ہوئے ہیں، اپنے تاثرات قلم بند کر دوں، جن عرب ملکوں میں گیا، ملک اور اہل ملک کو مخاطب کرنے کا موقع ملا اور اسمعی یا مصر، اسمعی یا سوریہ، اسمعی یا زہرۃ الصحراء (الکویت) اسمعی یا ایران کے عنوان سے متعدد مقالات تیار ہو گئے یہ گویا اس ملک کے نام پیام بھی تھا اور وطن و اہل وطن کے لئے سوغات بھی۔ اب مغرب اقصیٰ کی باری تھی جہاں اس وقت پہنچنا ہوا جب آفتاب عمر خود مائل مغرب ہے "چنانچہ" "نَحْنُ الآنَ فِی المَغْرِبِ" کے عنوان سے آج میں نے ایک مضمون کی ابتدا کر دی کہ کل سے مؤتمر کی مصروفیات شروع ہو جائیں گی معلوم نہیں لکھنے کا وقت مل سکے گا یا نہیں، دن کا بڑا حصہ اس میں گزرا۔ اکا دکا لوگ بھی آتے رہے۔ عزیزی ظہور السلام ندوی کی موجودگی سے جو مؤتمر کے انتظامات میں بھی رضاکارانہ حصہ لے رہے ہیں بڑی مدد مل رہی ہے۔

۵ بجے شام کو جمعیۃ الجامعات الاسلامیہ کے صدر الاستاذ محمد الفاسی مؤتمر کے مہمانوں سے ملنے اور ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے ان کی قیام گاہ، ہلٹن ہوٹل میں تشریف لائے۔ استاذ محمد الفاسی اس ملک کی ایک بڑی باوقار شخصیت ہیں وہ پہلے جامعہ محمد الخامس کے وائس چانسلر اور وزیر الثقافہ والتعلیم الاعلیٰ بھی رہ چکے ہیں۔

اب یونسکو " اللّجنة الوطنيّة " کے صدر اور اس کی اللّجنة الدّولية میں مغرب کے نمائندہ ہیں وہ مجمع اللغة العربيّة قاہرہ کے بھی ممبر ہیں اور ان کو جلالۃ الملک حسن ثانی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، اس وقت متعدّد ممالک کے نمائندے آگئے، ان سب سے اجتماعی ملاقات ہوئی اور دیر تک اخلاقی وعلمی گفتگو ہوتی رہی۔

۶ بجے دار الحديث الحسنیہ کا پروگرام تھا، متعدّد مہمان اس میں شریک ہوئے دار الحدیث الحسنیہ کی عمارت جو ایک سال خیر مسلمان کی وقف کی ہوئی ہے گھوم پھر کر دیکھی کتب خانہ پر نظر ڈالی۔ افسوس ہے کہ اس موقع پر محبّ گرامی الاستاذ عم بہار الدّین الامیری (سابق سفیر شام متعینہ پاکستان) جو کئی سال سے اس ادارے میں پروفیسر کی خدمت انجام دے رہا ہے ہیں اس وقت رباط میں موجود نہیں ہیں جس کا ان کو بھی شدید قلق ہے اور مجھے اس کی اور محرومی کا بشدّت احساس، اس مختصر صحبت کے بعد ہم ہوٹل واپس ہوئے۔

۷ ½ بجے شام کو استاذ ابُوبَکر القَادِری مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور بڑے پرتپاک طریقے پر ملے۔ بڑے تعلق و مناسبت کا اظہار کیا، وہ مغرب کی نمایاں ترین اسلامی شخصیتوں میں سے ہیں، استاذ علال الفاسی کی سیاسی پارٹی حزب الاستقلال کی مجلس عاملہ کے رکن جمعیۃ شباب النّہضۃ الاسلامیۃ کے صدر اور مجلہ الایمان کے مدیر ہیں مرحوم استاذ عَلال فَاسی کے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے وہی سب سے زیادہ دلچسپی لیتے اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے میری ملاقات ۱۹۶۵ء میں رابطہ عالم اسلامی، کی موتمر میں ہوئی تھی اور ہم دونوں نے ایک کمیٹی میں کام بھی کیا تھا۔ ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی اور بڑی مناسبت واتحاد خیال کا احساس ہوا۔

رات کو ڈاکٹر عبدُ الکریم خطیب نے اپنے مکان پر مدعو کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالکریم خطیب بھی اس ملک کی ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں وہ اپنے پیشہ کے لحاظ سے میڈیسن کے ڈاکٹر اور سرجن ہیں لیکن اعلیٰ علمی ذوق اور اسلامی وملکی مسائل سے گہری

دلچسپی رکھتے ہیں کسی گذشتہ حکومت میں وزیر بھی رہ چکے ہیں، اس وقت ایک سیاسی پارٹی الحزب الدستور الدیمقراطی کے صدر ہیں مہمانوں کی ایک مختصر اور محدود تعداد تھی لیکن سب نہایت چیدہ اور ممتاز حضرات تھے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر مہدی بنعبود تھے یہ کچھ عرصہ پہلے واشنگٹن میں مغرب کے سفیر تھے ان کا شمار مغرب کے ممتاز اسلامی مفکّرین میں کیا جاتا ہے، تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی افکار کی دعوت دینے میں ان کا خاص حصّہ ہے۔ یہ بھی اگرچہ میڈیسن کے ڈاکٹر ہیں لیکن اسی کے ساتھ رباط کے کلیۃ الآداب میں علم النّفس (سائیکالوجی کے پروفیسر بھی ہیں، دوسرے ممتاز مہمان ڈاکٹر رشدی فکّار تھے، یہ اصلاً مصری ہیں اور اس وقت کلیۃ الآداب رباط میں علم الاجتماع (سوشیالوجی) کے استاذ ہیں، فرنچ میں فلسفہ کی متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں، فرانس کی علمی اکیڈمی کے ممبر ہیں، اسی سال ان کا نام بھی نوبل پرائز کے لئے پیش کیا گیا ہے، تیسرے مہمان ڈاکٹر صبحی صالح تھے جو متعدد کتابوں کے مصنّف اور ممتاز لبنانی عالم ہیں ان سے میری پہلی ملاقات شیخ حسن خالد مفتی جمہوریہ لبنان کے دولت خانہ پر رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے دورے کے موقع پر ۱۹۷۳ء میں ہوئی اور انھیں نے اس جلسہ میں تعارفی اور خیر مقدمی تقریر کی تھی جو رابطہ کے وفد کے اعزاز میں منعقد کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ استاذ ابوبکر قادری جن کا ذکر گزر چکا ہے اور ایک بڑے سوڈانی تاجر تھے جو اسلامی تحریکات میں نمایاں حصّہ لیتے ہیں اور طویل عرصہ سے ان کا یہاں قیام ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم خطیب کا مکان اندلسی طرز تعمیر اور تمدن کا بہترین نمونہ تھا، آرائش در وشنی کا وہی طریقہ، مزیک و نقاشی کا وہی نمونہ جو ہمیں تصویروں میں نظر آتا ہے اور جس کو میں نے الحمراء (غرناطہ) کے ایوانوں اور محل سراؤں میں دیکھا تھا حقیقت میں مغرب اقصیٰ اور اسلامی اندلس کا تمدن مشترک ہے اس لئے کہ وہ ایک ہی نسل اور اس کے ذوق نفاست و جمالیاتی رجحان کی پیداوار ہے اور اس میں برابر تبادلہ ہوتا رہا ہے مغرب اقصیٰ کے یہی مسلمان تھے جو اسپین گئے پھر جب اسپین سے مسلمانوں کا انخلا ہوا تو

اندلسی مسلمان عرب اسی ملک میں پناہ گزیں ہوئے، وہ قدرتی طور پر اپنے ساتھ اپنا تمدن اپنا ذوق اور اپنی معاشرت بھی لائے اور صدیوں تک انھوں نے اس کو سینہ سے لگائے رکھا۔ یہ دونوں دھارے جو پہلے بھی بیگانہ نہ تھے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

کھانے پر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، موضوع یہ تھا کہ کیا واقعی صحابہ کرام میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں وہ اختلافات رونما ہوئے اور انھوں نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کی جن کو تاریخ نے بڑی بھیانک شکل میں پیش کیا ہے اور جن سے ایک خالی الذہن آدمی جو صحبت نبوی کی کیمیاگری اور اسلام کی انقلاب آفرینی کی صحیح قدر و قیمت سے واقف نہیں ہے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ بشریت کے تقاضے سے ان میں نفسانیت کام کر رہی تھی اور وہ اس بلند اخلاقی معیار پر باقی نہیں رہے تھے جن پر مربّی اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم ان کو چھوڑ کر گئے تھے حیرت کی بات یہ ہے کہ دمشق کی فکّار جو ایک جدید تعلیم یافتہ فاضل اور علم الاجتماع کے پروفیسر ہیں بڑی طاقت اور طاقت سے اس کی وکالت کر رہے کہ تاریخ نے ان واقعات کے پیش کرنے میں رنگ آمیزی اور مبالغہ سے کام لیا ہے، یہ سب صحابہ اسی بلندی و اخلاقی سطح پر قائم تھے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو تیار کیا تھا جو کچھ پیش آیا وہ زندگی کی فطری علامت تھی جس سے کوئی زندہ انسانی معاشرہ (اگر وہ مصنوعی نہیں ہے) خالی نہیں رہ سکتا ان سب باتوں کے معقول وجوہ و منطقی اسباب موجود ہیں اور وہ مفید نتائج کے حامل ہیں، اگر صحابہ کرام نفسانیت کا شکار ہوئے تو دنیا کا کوئی معاشرہ مثالی معاشرہ کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر صبحی صالح اس پر زور دیتے تھے کہ تاریخی واقعات کا انکار مشکل ہے، یہ سب بشریت کے تقاضے سے پیدا ہوا ہیں تاریخ کو غلط رنگ میں پیش نہیں کرنا چاہئے۔ دعوت سے فارغ ہو کر ہوٹل آئے اور آرام کیا۔

مؤتمر کا آغاز۔ میری تقریر اور دن کی مصروفیتیں

۱۱ر مئی سہ شنبہ

ساڑھے دس بجے مؤتمر کا آغاز ہوا، وزیر تعلیم عالی۔

استاذ عبد اللطیف بن عبد الجلیل نے اپنی تقریر سے اس کا افتتاح کیا جس میں مہمانوں کا خیر مقدم اور موتمر کے مقاصد کو سراہا، ان کی تقریر کے بعد فاضل صدر استاذ محمد الفاسی کی عالمانہ تقریر ہوئی صدر کے ایماء سے مہمانوں میں سے پانچ نمائندوں نے تقریر کی ان میں سے ایک راقم سطور بھی تھا۔

میں نے اپنی تقریر کا آغاز اس طرح کیا کہ اس وقت مجھے اس رابطہ عالم اسلامی کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے جس کے صدر مقام سے ایک پرتاپ تیر کے فاصلہ پر وہ غار حرا واقع ہے جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر پہلی وحی نازل ہوئی، یہ بات ہر صاحب نظر و صاحب فکر کو دعوت فکر دیتی ہے کہ اس پہلی وحی میں بھی نہ صرف یہ کہ علم کی عظمت اور ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے سب سے بڑے نمائندہ و وفادار خادم قلم کو بھی فراموش نہیں کیا گیا جس سے علم کی قسمت ہمیشہ کے لئے وابستہ کردی گئی ہے اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔

میں نے کہا کہ تاریخ کا یہ ایک عجیب و غریب معمّہ ہے کہ عالم انسانی کی سب سے بڑی علمی تحریک اور نوع انسانی کی سب سے بڑی تصنیفی سرگرمی کا سرچشمہ ایک ایسے نبی کی نبوت ہے جو خود امّی (ناخواندہ) تھا، اس امیّت سے اس علمیت اور خدمتِ علم کا ظہور جس کا پیکر اور علمبردار یہ امت رہی ہے تاریخ کا ایک ایسا سوال ہے جواب بھی عقلاء عالم اور فلسفہ تاریخ کی ماہرین سے سوال و جواب چاہتا ہے، ایران کے عارف شاعر شیخ سعدی کہا تھا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ⁂ کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن اس شعر سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ معجزہ محض سلبی تھا اس نے پرانے کتابی ذخیرہ اور علمی اندوختہ پر جو نہ صرف یہ کہ اپنی افادیت کھو چکا تھا، بلکہ اکثر اوقات رہبری کے بجائے رہزنی کی خدمت انجام دیتا تھا خط نسخ پھیر دیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ معجزہ جتنا سلبی تھا اس سے زیادہ ایجابی اور تعمیری تھا، اس نے اگر چند کتابی ذخیروں پر خط نسخ پھیرا، تو انسانیت کو اس سے کہیں زیادہ عظیم و وسیع کتب خانے عطا کئے جن کی نظیر کسی امت کی تاریخ میں نہیں ملتی

اس کے بعد میں نے کہا کہ نبوت محمدی نے علوم کی دنیا میں جو انقلاب برپا کیا اس کے دو بڑے مظہر ہیں، اس کے انقلابی کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسانی علوم علیٰحدہ علیٰحدہ اکائیوں (UNITS) میں تقسیم تھے، ہر علم بجائے خود ایک وحدت اور اکائی تھا، یہ اکائیاں نہ صرف ایک دوسرے سے بیگانہ اور ناآشنا تھیں، بلکہ اکثر اوقات باہم متصادم اور متضاد تھیں، ان میں آپس میں کوئی تعاون واشتراک نہ تھا وہ الگ الگ منزلوں اور نتائج تک پہنچاتی تھیں، ان کے درمیان کوئی رشتۂ وحدت نہ تھا، فلسفہ، ادب، علم الاخلاق ریاضیات سب کی دنیا الگ تھی، وہ خالق کائنات کی طرف رہبری کرنے، اس ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرنے، کائنات کی خلقت کے پیچھے جو مقصد کام کر رہا ہے، انسانی زندگی کی قدر وقیمت، نظام عالم میں ارادہ الٰہی کی جو وحدت کام کر رہی ہے، اس کے ادراک اور زندگی واخلاق کو صحیح راستہ پر ڈالنے کا جذبہ پیدا کرنے سے قاصر تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وتعلیمات نے ان سب منتشر اکائیوں کو ایک رشتۂ وحدت میں پرو دیا۔ ان کو ایک دوسرے کا ممد ومعاون اور معرفت صحیحہ کا مؤثر ذریعہ بنا دیا " اَلَّذِیْنَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا " اسی صورت حال کی صحیح تصویر ہے۔

علم کے میدان میں نبوت محمدی کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ علم سے اشتغال کرنے والے، عملی زندگی سے کنارہ کش، بگڑے ہوئے حالات وفساد کی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کرنے سے ہراساں، اپنی بنائی ہوئی خیالی دنیا میں مگن، علم وتحقیق، تصنیف وتالیف، شعر وشاعری

اور فلسفیانہ موشگافیوں سے اپنا دل بہلا رہے تھے، نبوت محمدی نے ان کو اس ذہنی حصار سے باہر نکالا ان کے کاندھوں پر امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور احتساب کائنات کی ذمہ داری ڈالی ان کو بگڑتے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی پر مامور کیا اور ان کو عملی زندگی کے میدان میں نکالا اسی کا نتیجہ تھا کہ ان دانشگاہوں کا جو علوم نبوت کی صحیح بنیادوں پر قائم ہوئی تھیں اور ان کے فضلاء کا جو اپنے کو نائبین انبیاء سمجھتے تھے، زندگی سے رشتہ ہمیشہ استوار رہا۔ وہ زندگی کے رواں دواں دریا کے ساحل پر کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے والوں میں نہ تھے بلکہ اس منجدھار میں کود کر ڈوبنے والوں کو بچانے والے اور طوفان کا مقابلہ کرنے والوں میں تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ علماء نے اکثر حالات میں نہ صرف یہ کہ جنگ آزادی، استخلاص وطن کی جدّ وجہد کا ساتھ دیا، بلکہ اس کی قیادت و رہنمائی کی، مغرب میں آپ کا جامعۃ القرویین اور جامعۃ الزیتونہ مصر میں جامع ازہر اور ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ یہ ادارہ (تنظیم جس کی سالانہ کانفرنس کے موقع پر ہم جمع ہوئے ہیں) ایک اہم مقصد کی تکمیل کے لئے وجود میں آئی ہے میرا عرصہ سے خیال ہے کہ مسلمان ملکوں کی قسمت کا فیصلہ اور مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کی اسلام سے وابستگی اور ناوابستگی کا فیصلہ سیاسی میدان میں نہیں ہوگا، حقیقتاً تعلیم کے میدان میں ہوگا اور اس میں قدرتاً سیاسی پارٹیوں سے زیادہ اسلامی دانشگاہیں اور یونیورسٹیاں مؤثر رول ادا کر سکتی ہیں اس لئے ہماری جمعیۃ بڑی اہمیت کی حامل ہے اور بڑی مفید اور بیش قیمت خدمت انجام دے سکتی ہے۔ [1]

---

[1] جس وقت تقریر کا خلاصہ لکھانے کا ارادہ کیا گیا اس کی کوئی یادداشت موجود نہ تھی، ذہن میں صرف اسکے اہم نقطے اور بنیادی خیالات تھے، تو ذہن کو اپنا کام کرنے اور ان نقاط کو جو اس تقریر میں آئے تھے زیادہ اجاگر کرنے سے روکا نہیں گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو کے قالب میں یہ تقریر زیادہ طاقت ور اور زیادہ مرتب ہوگئی۔

بقیہ حاشیہ ۷۸ پر

ان تقریروں پر اس پہلی نشست کا اختتام ہو گیا، چار بجے موتمر کا دوسرا اجلاس شروع ہوا جس میں استاذ محمد المنتصر الکتانی کا بحیثیت صدر، استاذ محمد البشیر کا بحیثیت سکریٹری اور ڈاکٹر عبداللہ الترکی وائس چانسلر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کا بحیثیت کنوینر کانفرنس انتخاب ہوا، ڈاکٹر عبداللہ ترکی ریاض میں باوقار شخصیت کے حامل ہیں، دینی جذبہ اور دینداری سے آراستہ ہیں اور وہاں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، ان کے انتخاب کو سب نے پسند کیا، انھوں نے ایک تقریر کی جس میں حقیقت پسندی اور بحث و مذاکرات میں خیال کے بجائے عمل پر زور دیا اس کے بعد کمیٹیوں کی تشکیل ہوئی، اسلامی جامعات اور عالم اسلامی کے مسائل اور ان کے باہمی ربط پر کام کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔

رات کا کھانا گولف کلب میں ہوا، جہاں مہمانوں کے خیر مقدم میں موسیقی اور باجے کا انتظام بھی تھا سعودی وفد نے اس پر اعتراض کیا اور وہ روک دیا گیا، اس موتمر میں شرکت کے لئے سعودی عرب، مصر، لبنان، شام، عراق، شرق اردن، کویت، تونس، افغانستان ترکی، سوویٹ روس، نائیجیریا، ایران، فلپائن، موریٹانیا اور ہندوستان و پاکستان کے نمائندے آئے ہیں مجھے اس کا خیال تھا کہ شاید پاکستان کی نمائندگی کے لئے کوئی ایسے صاحب علم دوست آئے ہوئے ہوں یا آنے والے ہوں جن سے پہلے سے تعارف ہو اور اس طرح دو بچھڑے ہوئے دوست ملیں، اس لئے کہ اب پاکستان کے فضلاء سے ملنے کے لئے بین الاقوامی کانفرنس کے ہی مواقع رہ گئے ہیں، لیکن یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہوا کہ پاکستان سے مولانا سید ابوبکر غزنوی وائس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی اس کانفرنس کے لئے مدعو تھے اور وہ پاکستان سے لندن آچکے تھے تاکہ اسلامک کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد وہ رباط کی

اس لئے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی کہ یہ اس عربی تقریر کا جوں کا توں متن اور محتاط ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ایک آزاد اضافہ شدہ متن ہے۔

اس کانفرنس میں شرکت کریں لیکن ان کو اچانک لندن میں موٹر کی ٹکر کا حادثہ پیش آیا اور وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے، مولانا ابوبکر صاحب غزنوی کے خاندان سے ہمارے خاندان کے دیرینہ دینی و روحانی تعلقات رہے ہیں۔ گذشتہ سال انھوں نے اپنے والد ماجد مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی سوانح بھیجی تھی جو تازہ تازہ ان کے قلم سے نکلی تھی اور جس میں انھوں نے میری ایک ناچیز تحریر کو شامل کر کے میری عزت بڑھائی تھی اور ایک نہایت پر محبت خط لکھا جس میں ملنے اور چند دن ساتھ رہنے کی تمنا ظاہر کی تھی، اگر خدا کو منظور ہوتا اور وہ اس موقع پر آتے تو ہم دونوں اپنی اپنی جگہ پر نہایت خوش ہوتے اور اس چند روزہ رفاقت کو بہت غنیمت سمجھتے لیکن مقدرات سے چارہ نہیں۔ رباط کے بجائے انھوں نے آخرت کا سفر اختیار کیا وَمَا عِندَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّاَبْقیٰ اور ان سے ملنے کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ۔

کمیٹیوں کا قیام اور ضیافتیں

۱۲ مئی چہار شنبہ

صبح ناشتہ کے بعد کمیٹیوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ جس کمیٹی سے میرا تعلق ہے اس میں مہدی بنعبود عبد الکریم الخطیب اور لبنان کے نمائندہ شیخ محمد مہدی شمس الدین المجلس الاسلامی الشیعی الاعلیٰ کے اور وہاں کے شیعوں کے دینی پیشوا موسیٰ الصدر کے نمائندہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر بہت پڑھے لکھے، گفتگو پر قادر، فرنچ سے بخوبی واقف اور فلسفہ و نفسیات کے اچھے فاضل ہیں، انھوں نے نہج البلاغۃ پر تحقیقی کام کیا ہے جس کا ایک نسخہ عنایت فرمایا، نیز ڈاکٹر عبدُ الھادِی تازی (المعہد الوطنی للبحث العلمی) اور شیخ مصطفےٰ (علوی) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دوپہر کا کھانا رئیس المجلس البلدی رباط کارپوریشن کے میر کی طرف سے

فندق صومعہ حسّان میں تھا، صومعہ حسّان یہاں کی قدیم تاریخی عمارت نہایت بلند مینارہ ہے جس کے نام پر یہ ہوٹل موسوم ہے، یہ ہوٹل اندلسی طرز تعمیر کا ایک دلکش نمونہ ہے۔ عصر کے وقت کمیٹی کا دوسرا اجلاس ہوا، رات کو محکمۂ تعمیرات واسکان وسیاحت کے سکریٹری کی طرف سے فندق حسان میں دعوت تھی وہاں ایک اندلسی کھانے سے تعارف ہوا جس کا نام "بسطیلہ" ہے، یہ سات قسم کے گوشت کے قیمہ کا نام ہے جو ایک بڑے سموسہ کی شکل میں ہوتا ہے۔

چند ملاقاتیں اور زیارتیں

۱۳ر مئی پنجشنبہ

آج صبح استاذ عبدالعزیز بن عبداللہ ملنے کے لئے تشریف لائے، تعریب کا کام جو مختلف ممالک میں مختلف اکاڈمیوں کے تحت ہوتا ہے اس میں ربط ووحدت پیدا کرانے کے لئے جامعۂ عربیہ کی طرف سے جو دفتر قائم کیا گیا ہے۔ اس کا صدر مقام رباط میں ہے اور یہ صاحب اس کے سکریٹری ہیں اس کی طرف سے اللّسانُ العربی کے نام سے ضخیم رپورٹیں شائع ہوتی ہیں اور وہ ہمارے یہاں بھی آتی ہیں، انھوں نے واقفیت اور گرم جوشی کا اظہار کیا اور اسلامی مسائل وافکار سے گہری دلچسپی ظاہر کی، یہ صحبت بہت اچھی رہی۔

آج دوپہر کا کھانا "گولف کلب" میں وزیر اوقاف والشؤن الاسلامیہ کی طرف سے تھا لیکن ہم نے اس کی شرکت پر اس عربی مضمون کی تکمیل کو ترجیح دی جو ۱۰ر مئی سے شروع کر دیا تھا لیکن کام زیادہ نہ ہو سکا، اور اس میں تھوڑا ہی اضافہ ہوا۔ شام کو پھر کمیٹی کی نشست ہے، آج استاذ علال فاسی کے مکان پر جن کی سارے ملک میں برسی منائی جا رہی ہے، قرآن خوانی تھی، ان سے عقیدت رکھنے والے وہاں جاتے ان کے صاحبزادے سے تعزیت کرتے، استاذ ابوبکر قادری نے جن کو علال فاسی سے گہری عقیدت ومحبت ہے

مجھ سے بھی فرمائش کی کہ میں بھی تھوڑی دیر کے لئے وہاں چلوں، میں نے اس کا وعدہ کیا، وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ حافظوں کی ایک جماعت جن کی تعداد پانچ سات سے زیادہ نہ تھی اجتماعی طور پر خالص مغربی لہجہ اور انداز میں نافع کی قرأت میں سورہ کہف ہل ہل کر پڑھ رہے ہیں۔ ان کی تلاوت کا انداز دلکش تھا، سورہ کہف کی تلاوت ختم ہوئی تو انھوں نے ایک قصیدہ بردہ شروع کیا جو اس موقعہ پر خاص طور پر پڑھا جاتا ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر یہاں کے تبلیغی مرکز مسجدِ نورؔ میں گئے جہاں ہر جمعرات کو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے میں نے اور شیخ ابو بکر الجزائری نے تقریر کی، مسجد بھری ہوئی تھی حاضرین اس محبت و گرم جوشی سے ملے جو تبلیغی جماعت کا شعار ہے، اس ملک میں تبلیغی جماعت کے امیر شیخ حَمْدَ اِدِیْ ہیں جو ایک مدرسہ ثانویہ کے مدرّس اور بڑے فہیم و متوازن ذہن کے آدمی ہیں، ان سے رباط پہنچنے کے بعد ہی ملاقات ہوگئی تھی اور یہ وعدہ ہو گیا تھا کہ میں تھوڑی دیر کے لئے ان کے اجتماع میں آؤں گا۔

رباط کا مصروف ترین دن

۱۴ر مئی جمعہ

آج قیام رباط کا مصروف ترین دن تھا، سہ شنبہ یا چہار شنبہ کو جیبہ بو (قادیہ) نے جو ایک فاضل خاتون ہیں اور ان کا وزارۃ الثقافہ سے خاص تعلق ہے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں وزارۃ الثقافہ کے زیر انتظام ایک تقریر کے لئے وقت دے سکتا ہوں، میں نے زیادہ غور کئے بغیر نیم وعدہ کر لیا۔ میری خود بھی خواہش تھی کہ میں کسی سنجیدہ اور تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار کر سکوں، انھوں نے مجھ سے تقریر کا عنوان پوچھا میں نے کہا ازمۃ العالم الاسلامی الحقیقیۃ ''(عالم اسلامی کا حقیقی کرائسس) دوسرے دن ہی جمعہ کے

دن بعد عصر تقریر کا وقت مقرّر ہوگیا، چہار شنبہ ہی سے ربا طاریڈیو نے اس کا اعلان شروع کردیا
مجھے جب معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن عصر سے کچھ پہلے موتمر کا اختتامی جلسہ شروع ہوگیا ہے جس میں
ذیلی کمیٹیوں کے کام کی روداد، ان کی سفارشات قراردادیں اور تجاویز بحث و منظوری کے لئے پیش
کی جائیں گی تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ میں یہ اہم نشست چھوڑ کر تقریر کے لئے کیسے جاؤں گا، یقیناً
اس کا سلسلہ مغرب تک جاری رہے گا، میں سخت کش مکش میں پڑ گیا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا
تھا۔ صدر محترم اور سکریٹری صاحب سے اپنی اس پریشانی کا اظہار کیا تو انھوں نے کہا کہ ہمیں
امید ہے کہ ضروری کارروائی اس سے پہلے ختم ہو جائے گی اور ہم بھی جلسہ میں شرکت کرسکیں گے
مجھے اس میں بڑا شبہہ تھا اس لئے کہ میں نے اس طرح کے جلسوں کا تجربہ کیا ہے کہ اظہار خیال
کرنے والے بہت ہوتے ہیں اور اکثر بات الجھ جاتی ہے۔

کل ہندوستانی سفارت خانہ کے فرسٹ سکریٹری کا ٹیلیفون آیا کہ سفیر صاحب
کل آپ کو لنچ پر مدعو کرنا چاہتے ہیں، مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ جمعہ کے دن خود ہماری میزبان جمعیۃ کی
طرف سے مہمانوں کے اعزاز میں لنچ ہے، میں نے معذرت کی کہ میں بڑی خوشی سے اس دعوت
کو قبول کرتا اگر کسی اور جماعت یا شخص یا وزارت کی طرف سے دعوت ہوتی تو میں معذرت کر دیتا
لیکن خود ہماری میزبان جمعیۃ کی طرف سے دعوت ہے، اس لئے معذرت کی گنجائش نہیں، میں
اگرچہ لنچ پر نہیں آسکتا، لیکن صبح سفیر صاحب سے ملنے آؤں گا، چنانچہ وقت مقرر ہوگیا، ہم لوگ
صبح نو بجے ہندوستانی سفارت خانہ گئے اور سفیر صاحب جن کا نام گوہا ہے اور جو غالباً بنگالی ہیں،
ملے معقول، سلجھے ہوئے انسان ہیں، دیر تک ان سے گفتگو رہی، کیوں کہ مجھے یہاں سے
لندن جانا تھا اس لئے ویزا کے لئے برطانوی (قنصل) خانہ جانا ہوا، وہاں خاصا وقت صرف
ہوا، آخر میں معلوم ہوا کہ ویزا لینے کی خاص ضرورت نہیں ہے، دولت مشترکہ کا باشندہ ہونے
کی وجہ سے وقت کے وقت لندن کے ہوائی اڈہ پر حسب ضروریات قیام کی اجازت مل جائیگی
مجھے بہت افسوس ہوا کہ آج ہمارے ساتھی یہاں کے تاریخی آثار کی سیر کرنے نکلے ہیں اور وہ سلطان

محمد الخامس کی صریح اور مسجد میں بھی جائیں گے، کیوں کہ یہ رباط کا آخری دن ہے اسلئے ہم کو اس کا موقع نہیں ملے گا، اب انتا ہی وقت تھا کہ ہم جمعہ کی تیاری کر کے جامع مسجد کا رخ کریں، مَسْجِدُ السُّنّہ میں نماز پڑھنے کا پروگرام تھا، مسجد میں داخل ہوئے تو قرآن شریف کی بالجہر تلاوت کا سلسلہ جاری تھا، میں زوال کے انتظار میں بیٹھ گیا، لیکن زوال ہوتے ہی خطبہ کی اذان شروع ہو گئی کسی کو سنّتیں پڑھتے نہیں دیکھا، غالبًا اس ملک میں اس کا رواج نہیں خطبہ موتمر کے ایک مندوب مصری عالم الشیخ سلیمان حسن ربیع (جو ازہر کے کلیتہ اللغتہ العربیّہ کے عمید ہیں اور تمام مصری علماء کی طرح زبان آور اور برجستہ گو مقرر ہیں) نے دیا خطبہ طویل تھا لیکن بلیغ

نماز کے بعد مہمانوں کا قافلہ کھانے کے لئے روانہ ہوا، آج ضیافت کا انتظام فندق الفردوس میں تھا جو رباط سے تقریبًا پندرہ بیس میل دور بحر اطلس کے بالکل کنارے واقع ہے ہم لوگ "سلا" کے مشہور تاریخی و متبرک مقام سے جو کثیر التعداد علماء و صلحاء کا مسکن و مدفن ہے جس کا مغرب کی تاریخ میں بار بار نام آتا ہے، گزرتے ہوئے ہوٹل پہنچے، ہوٹل اندلسی طرز کا نہایت شاندار ہوٹل ہے، اس کے جائے وقوع نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ سمندر کا نظارہ بڑا دلکش تھا، ہماری نشست بالکل سمندر کے رخ پر اس کے چند گز کے فاصلہ پر تھی سمندر کی موجیں ساحل سے اٹھکیلیاں کر رہی تھیں میں پرانی یادوں اور جذبات کے سمندر میں غوطہ زن تھا، میری یہی مشکل ہے کہ میرا تاریخی شعور اور مطالعہ کہیں میرا ساتھ نہیں چھوڑتا وہ اپنے گھنے سائے میرے دل و دماغ پر ڈالتا رہتا ہے اور کبھی کبھی یہ سائے دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہونے سے باز رکھتے ہیں، اقبالؔ نے اپنے اس شعر میں جو کچھ کہا ہے میرا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام زندگی کھوئے ہوؤں کی جستجو

سامنے سمندر بہہ رہا تھا اور میں عربوں کی اس حوصلہ مندی اور مہم جوئی کو یاد کر کے جو کبھی پہاڑ اور سمندر کو خاطر میں نہیں لاتی تھی اور جس نے اسی بحر اطلس کو عبور کر کے اپنے

میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا تھا، خیالات میں کھویا ہوا تھا اور بار بار اقبالؔ ہی کا یہ مصرعہ پڑھ رہا تھا۔

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

لیکن اب اس حال کو اس ماضی سے کیا نسبت؟

کھانا کھا کر ہم لوگ "سلا" پر دور سے نظر ڈالتے ہوئے ہوٹل واپس آ گئے۔

پانچ بجے شام کو ذرا تاخیر سے جمعیۃ کا اختتامی جلسہ شروع ہوا۔ عزیزی سید ظہور السلام ندوی نے جلسہ کے دوران مجھ سے آکر کہا کہ وزیر الثقافہ آپ کی تقریر میں موجود رہنا چاہتے ہیں، لیکن ان کو ایک کمیٹی میں بھی شرکت کرنی ہے اس لئے ان کی خواہش ہے کہ جلسہ وقت پر شروع کیا جائے اور تقریر ایک گھنٹہ کے انداز کی ہو، میں نے ان سے کہا کہ صدر صاحب سے اس کی اجازت لے لو، صدر صاحب نے کہا کہ وہ تقریر کے لئے جا سکتے ہیں لیکن محمد رابع موجود رہیں تو بہتر ہے، تاکہ کسی ایک کی شرکت ہو جائے۔

جلسہ وزارۃ الثقافہ کے قاعۃ المحاضرات (لکچر ہال) میں تھا، ہم پہلے وزیر ثقافت کے کمرہ میں گئے، ان سے ملاقات کی پھر وہ اور وزیر الاوقاف والشئون الاسلامیہ اٹھ کر ہال میں آئے۔ پہلے حبیب بو قادیہ نے اپنا تعارفی مضمون پڑھا۔ مضمون میں والد صاحب مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کا اچھا تعارف خاص طور پر انکی کتاب نزہۃ الخواطر کا بلند الفاظ میں تذکرہ تھا۔

میں نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ آج کی تقریر کا جو عنوان ہے، اگر اس کو ایک سوال کی شکل میں پیش کیا جائے اور پوچھا جائے کہ اس وقت عالم اسلامی کا حقیقی مسئلہ اور مشکل (CRICIS) کیا ہے؟ تو اسکے دس جواب ہو سکتے ہیں، کوئی کہے گا کہ اصل مسئلہ اقتصادی ہے کوئی کہے گا کہ سیاسی ہے، کوئی کہے گا کہ تعلیمی ہے؛ وغیرہ وغیرہ، لیکن میں کہوں گا کہ خالص ایمانی واخلاقی ہے یعنی اس وقت عالم اسلامی کی جو سب سے بڑی کمی، اس کا سب سے

بڑا خلا، اور اس کا سب سے بڑا (CRICIS) ہے وہ ایمان و اخلاق کی کمزوری اور پستی ہے۔ آپ عالم اسلام پر ایک نظر ڈالئے اس میں کس چیز کی کمی ہے؛ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ساٹھ کرور بتائی جاتی ہے، وسیع ترین اور زرخیز ترین ممالک اس کے پاس ہیں، جو معدنی نباتاتی حیوانی، انسانی دولتوں سے مالامال ہیں پٹرول کا جو موجودہ صنعت و تمدن کی شہ رگ ہے سب سے بڑا ذخیرہ اس کے پاس پایا جاتا ہے، تعلیم، ذہانت، نشر و اشاعت، صحافت، خطابت — دانش گاہوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں لیکن حالت یہ ہے کہ عالمی میزان میں ان کا کوئی وزن نہیں اور دنیا کے حالات و واقعات اور رجحانات میں ان کا موثر رول نہیں، وہ نفع و ضرر کی صلاحیت سے جس کی بنا پر قوموں کا احترام ہوتا ہے تقریباً محروم ہو چکے ہیں، وہ دوسروں کی قسمت کا فیصلہ نہیں، دوسرے ان کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں اور وہ دنیا کے اسٹیج پر ایک خاموش تماشائی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، ان کی تصویر اس سے زیادہ صحیح و بلیغ نہیں کھینچی جا سکتی جو اس صحیح حدیث میں کھینچی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں فرمایا۔

یوشلك الامم ان تداعى عليكم،	ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ تم پر دنیا کی قومیں ایسی
كما تداعى الاكلة الى قصعتها	ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے کھانے کے طباق پر ٹوٹ
فقال قائل:۔ او من قلة نحن يومئذ؟	پڑتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا ایسا
قال بل انتم يومئذ كثير ولكنكم	ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا؟ فرمایا نہیں تم اس وقت
غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله	بہت ہو گے لیکن (ایسے بے وزن و بیکار ہو جاؤ گے جیسے
من صدور عدوكم المهابة منكم	سیلاب کا پھین اور کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے
وليقذفن في قلوبكم الوهن. قال قائل	دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت ختم کر دیگا اور تمہارے دلوں
يارسول الله وما الوهن؟ قال حب الدنيا	میں کمزوری ڈال دیگا کسی کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ
وكراهية الموت" (۱) ص۲	وہ کمزوری کیا ہے آپنے فرمایا؟ دنیا کی محبت اور موت سے وحشت

(۱) رواہ ابو داؤد عن ثوبان رضی اللہ عنہ ص۲

میں نے کہا کہ میں جب ایمان کی کمی کو اس صورت حال کا ذمہ دار قرار دیتا ہوں تو ایمان سے میرا مطلب اس کا وہ کلامی اور اعتقادی مفہوم نہیں ہوتا جس سے ایک آدمی دائرۂ کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور اس پر اسلام کے احکام جاری ہوتے ہیں، جہاں تک ابتدائی اعتقاد اور اسلام کی بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے کا سوال ہے، مسلمان اب بھی دنیا کی ساری قوموں سے فائق ہیں، اگر ان کا ایمان ترازو کے ایک پلّہ پر بھی رکھا جائے اور دنیا کی ساری قوموں کا ایمان دوسرے پلّہ پر رکھا جائے تو یقیناً ان کا پلّہ جھک جائے گا، اس سے میری مراد ایمان کی وہ حرارت، عقیدہ کی وہ صلابت، اسلام کے واحد ذریعہ نجات اُخروی اور سعادت دنیوی پر یقین ہے، جس سے صحابہ کے سینے معمور اور ان کے دماغ مخمور تھے، ہمارے یہاں اسلام دنیا کے درجنوں مذاہب میں سے ایک مذہب ہے، کچھ بہتر اور مقابلۃً صحیح تر، ان کے نزدیک اسلام ہی ایک دین حق تھا باقی سب جہالت، ظلم و ظلمت، اوہام پرستی، ہم اسلام کے لئے رحم کی اپیل کرتے ہیں کہ بقاء باہم کے اصول پر اس کو زندہ رہنے کی اجازت دی جائے اور جس طرح دنیا میں بہت سی نسلوں کو زندہ رہنے اور توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے، بلکہ حکومتیں بعض حیوانی نسلوں کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتی ہیں اور ان کے لئے مخصوص قوانین جاری کرتی ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی ہر ملک میں زندہ رہنے کی اجازت دی جائے اور جس طرح عجائب خانوں میں تاریخی یادگار کے طور پر بہت سی ایسی چیزوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے جن کی اب کوئی افادیت نہیں ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب و معاشرت اور ان کے عائلی قوانین کو باقی رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن صحابہ کرام کا ایمان اسلام کے بارے میں سوچنے اور عمل کرنے کا طریقہ اس سے مختلف تھا، اس کا پورا اظہار ان کے اس سفیر کے الفاظ میں ہوتا ہے جو اس نے سپہ سالار ایران رستم کے دربار میں اس سوال کے جواب میں دیا تھا، کہ تمہارے اس ملک کی طرف رُخ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا نے ہم کو اس کام کے لئے مبعوث و مامور کیا کہ ہم ان سب لوگوں کو جن کے

متعلق ارادہ الٰہی ہوچکا ہے، بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی، اس فانی دنیا کی کال کوٹھری سے نجات دے کر دنیا کی فضائے بیکراں میں داخل، مظاہر کی انصافی سے نجات دے کر اسلام کے عدل سے متمتع و مستفید کریں، وہ ایمان ایک شعلہ جوالہ تھا جس کے سامنے دوسرے عقائد و مذاہب موم کی طرح پگھلتے اور شبنم کی طرح جذب ہو جاتے، نہ پہاڑ اس کا راستہ روک سکتے نہ دریا اس کا رخ موڑ سکتے، آپ نے اپنے ہی یہاں کے فاتحین عقبۃ بن نافع، موسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد کی اولوالعزمی اور فاتحانہ یلغار کے واقعات پڑھے ہیں، ان میں یہی زندہ اور تابندہ ایمان کام کر رہا تھا۔ ؎

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

وہ سمندروں کو ایسا ہی بازی گاہ سمجھتے تھے جیسے کھلاڑی کھیل کے میدانوں اور ہاکی و کرکٹ کی فیلڈ کو، آج ہی میں جب بحر اطلس کے کنارے فُنْدُقُ الفِردَوس میں کھانا کھا رہا تھا تو میں ان پاک نہاد مجاہدین کی قلندرانہ جرأت کو یاد کر رہا تھا، جنھوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے اور اسلامی فتوحات کے ڈانڈے یورپ سے ملا دیئے۔

اس طرح جب میں اخلاق کا نام لیتا ہوں تو میری مراد ظاہری اخلاق اور معاملات نہیں، اس کی تو مسلمانوں میں کمی نہیں، بلکہ زیادتی ہے، میری مراد اخلاقی استقامت اصول پسندی، ذاتی مفادات و اغراض پر ملی مصالح کو ترجیح دینا، کسی وقتی فائدہ کے لئے اصول کو قربان نہ کرنا، ضمیر کے خلاف کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہ ہونا، حق و صداقت کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار رہنا ہے، اس معیار سے دیکھا جائے تو ہماری ملت اور اس کے قائدین تک میں اخلاقی کمزوری، ملت فروشی، ملک سے غداری کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، شاعر اسلام اقبالؔ نے اس طبقہ کے متعلق اس شعر

میں مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

اس لئے میرے نزدیک عالم اسلام کا حقیقی مسئلہ اور اس کا واقعی CRICIS اخلاق وایمان کی پستی وگراوٹ ہے، جب تک یہ دور نہیں ہوتی کسی فلاح کی امید نہیں۔[1]

ہوٹل واپسی کے بعد تھوڑی دیر کے لئے جمعیۃ کی مجلس تنفیذی (اکزیکیٹو کمیٹی) میں شرکت کی، پھر اپنے کمرہ میں آگئے رات کو مولای مصطفےٰ علوی کے مکان پر کھانا کھایا یہ چیدہ مجلس تھی جس میں پانچ چھ آدمی سے زیادہ نہ تھے ان میں خاص طور پر جمعیۃ کے نائب صدر اور تونس بلکہ مغرب کے برگزیدہ عالم ومحقق علاّمہ الجیب بلخوجہ عمید کلّیتہ الزیتونہ تھے چونکہ سبھی مہمان درس و تدریس سے تعلّق رکھتے تھے اس لئے قدرتاً طلباء مدارس بالخصوص کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کی بے استعدادی اور کم محنتی کا موضوع چھڑ گیا، علاّمہ الجیب بلخوجہ نے اس کا اصل ذمہ دار ان جدید اساتذہ کی علمی بے مائگی اور سطحیت کو قرار دیا اور اس سلسلہ میں عجیب واقعات سنائے جن سے اندازہ ہوا کہ یہ مرض ہمارے ہی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ممالک عربیہ میں بھی وبا کی طرح پھیل گیا ہے اور اس کا اثر پورے علمی نظام پر پڑ رہا ہے۔

---

[1] یہ تقریر ریکارڈ ہوئی لیکن اس وقت حافظہ پر زور ڈال کر اسکے اہم نقاط کو اردو میں اپنے الفاظ میں پیش کر دیا گیا ہے اور اس میں کسی قدر حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

الدار البیضاء میں زعیم مغرب علّال فاسیؒ کے تعزیتی جلسہ میں شرکت اور مراکش کو روانگی

۱۵ مئی شنبہ

صبح کے ناشتہ کے بعد پورے قافلہ کی روانگی مراکش کی طرف تھی میرے لئے یہ طے کیا گیا کہ میں کچھ دیر الدار البیضاء میں توقف کر کے استاذ عَلّال فاسی کے تعزیتی جلسہ میں جو اس سلسلہ کے جلسوں کی آخری کڑی ہے جمعیۃ کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوں میں نے اپنے تعلقات اور اس احترام کی بناپر جو ان کا میرے دل میں تھا اس کو منظور کر لیا، جمعیۃ نے میرے سفر کے لئے ایک مخصوص کار کا انتظام کیا جو اخیر تک میرے استعمال میں رہے گی۔

پورا قافلہ الدار البیضاء میں داخل ہو کر سیدھے ہوٹل، کھانے کی میز پر پہنچا اور وہاں سے مراکش روانہ ہو گیا، میں نے ظہر کی نماز جامع محمد الخامس میں پڑھی، مسجد میں داخل ہوتے وقت ایک کمسن طالب علم ملا، اس نے کہا کہ آپ ہندوستان کے ہیں؟ میں نے کہا کہ تم ہندوستان کو کیا جانو؟ اس نے کہا فِی الْهِنْدِ لَنَا إِخْوَانٌ فِی اللّٰہِ" (ہندوستان میں ہمارے بہت سے ایسے بھائی ہیں جن سے ہمیں اللہ کے لئے محبت ہے) مسجد کے صحن میں چند نو عمر لڑکے کھڑے تھے۔ جو قریب کے کسی اسکول کے طالب علم معلوم ہوتے تھے انٹرول میں نماز پڑھنے آئے تھے بڑے تپاک سے ملے، ان اسیروں کا ذکر کرنے لگے جو دینی فکر و دعوت کے حامل تھے اور آج کل جیل میں ہیں۔ مجھے ان کی گرفتاری کے حقیقی اسباب کا علم نہ ہو سکا لیکن میرے لئے یہ بات نئی اور ناقابل فہم نہ تھی، اسلئے کہ ہمارے تمام اسلامی ممالک اسی تضاد کا شکار

ہیں اس پر بچہ نے جو دروازہ پر ملا برجستہ یہ آیت پڑھی۔

"احسب الناس ان یترکوا، ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون"

میں نے کہا تم بڑے تیز معلوم ہوتے ہو میں اپنے سفرنامہ میں تمہارا ذکر کروں گا، اس نے کہا ایسا نہ کیجئے گا، میں نے کہا جیل جانے سے ڈرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، مجھے ریا کا ڈر ہے' یہ بچے کسی قریبی اسکول میں پڑھتے ہیں اور انٹرول میں نماز کے لئے آئے ہیں، نماز سے فارغ ہوا، تبلیغی جماعت کے ایک دوست نے دیکھ لیا جو "فاس" میں ہم لوگوں کو سن کر ملنے آئے تھے یہ میرے ہم نام ہیں لیکن چونکہ ماشاء اللہ ان کا تکیہ کلام ہے، اس لئے بعض لوگوں نے ان کا نام علی ماشاء اللہ رکھ دیا ہے، یہ اپنی دوکان پر لے گئے وہاں وضو کی تجدید کی اور تعزیتی جلسہ کی طرف روانہ ہوئے۔

شارع الجیش پر ایک پبلک ہال میں جلسہ ہورہا تھا، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، باہر بھی لوگ کھڑے ہوئے تھے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد علال فاسی کی تعریف کے نعرے لگتے تھے، ایک فاضلانہ مضمون پڑھا جارہا تھا جس میں مرحوم کے افکار و نظریات اور سیاسی کارناموں اور ان کے پس منظر پر تبصرہ کیا گیا تھا، یہ ایک فاضلانہ تجزیہ تھا جس سے اس ملک کے سیاسی حالات اور سیاسی فکر و شعور کے ارتقاء پر روشنی پڑتی تھی، اسکے بعد مجھے تقریر کی دعوت دی گئی۔

میں نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس کا بڑا قلق ہے کہ میں مغرب اس وقت آیا جب استاذ علال فاسی اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، مجھے اس کمی اور اپنی محرومی کا افسوس ہے جب کسی کام میں تاخیر ہوتی ہے تو ایسے ہی نقصانات گوارا کرنے پڑتے ہیں' پھر میں نے ان کی زندگی کے تین پہلوؤں پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی، میں نے کہا کہ میری نگاہ میں ان کی بڑی اہمیت ہے، ایک یہ کہ ان کی عملی زندگی کا آغاز ایک عالم دین کی حیثیت سے ہوا وہ جامع القرویین کے فیض یافتہ تھے اور انھوں نے مسجد و مدرسہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر علم حاصل کیا تھا، اس لئے ان کے علم میں پختگی اور ان کی نظر و مطالعہ میں گہرائی تھی، جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ آخر تک علمی و کتابی ذوق اور مطالعہ سے دور نہیں ہوئے اور سیاسی مصروفیات

نے انکو دوسرے لیڈروں کی طرح علم و درس و تدریس کی دنیا سے ناآشنا اور متوحش نہیں ہونے دیا، بلکہ ان کی جدوجہد آزادی، حب الوطنی اور مجاہدانہ جذبات کا سرچشمہ یہی قدیم تعلیم تھی جو انھوں نے قرویین میں پائی تھی، یہ وہ خصوصیت ہے جو ان کے اور ہمارے ہندوستان کے ان علماء کے درمیان مشترک ہے جنھوں نے اپنے ملک میں تحریک آزادی کی قیادت و رہنمائی کی۔ وہ ایک طرف عالم دین تھے اور دوسری طرف جنگ آزادی کے سپاہی اور رہنما۔

ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جدید سیاسی نظاموں اور فلسفوں کا انھوں نے گہرائی سے مطالعہ کیا تھا، ان کی معلومات "سکنڈ ہینڈ" نہیں تھیں اور وہ زندگی کے قافلہ سے بچھڑنے نہیں پائے تھے، مجھے معلوم ہے کہ وہ خود اپنے مخصوص خیالات و نظریات رکھتے تھے، ان پر مغربی زبانوں میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور ان کا سلسلہ جاری رہے گا۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہندوستان کے تحتی برّاعظم کے علماء و مفکرین و مصنفین سے عرب ممالک کے عام علماء کے مقابلہ میں زیادہ واقف اور باخبر تھے، خاص طور پر ہمارے ہندوستان کے مایہ ناز عالم و دینی پیشوا حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے بڑے مدّاح اور قائل تھے، خاص طور پر ان کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" سے بڑے متأثر اور گرویدہ تھے، بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ان سے ملاقات و صحبت رہی ہو اور انھوں نے "حجۃ اللہ البالغۃ" کا ذکر نہ کیا ہو، وہ مقاصد و اسرار شریعت کے موضوع پر اس کتاب کو بہت اونچا درجہ دیتے تھے، اسی طرح وہ اقبالؔ کے بڑے مدّاح تھے، اور ان کو ان کے کلام کے منظوم عربی ترجمے کے بند کے بند یاد تھے۔

یہ تقریر عام طور پر پسند کی گئی اور استاد ابوبکر قادری نے جو علال فاسی مرحوم کے خصوصی شاگردوں اور رفیقوں میں ہیں یہ کہا کہ اس تقریر سے مرحوم کی عظمت کے بعض نئے پہلو پہلی مرتبہ سامنے آئے، یہ تقریر ہمارے زمانہ قیام ہی میں حزب الاستقلال کے آرگن "العلم" میں چھپ گئی۔

تقریر سے فارغ ہو کر ہم لوگ مراکش کو روانہ ہوئے، جو یہاں سے تقریباً ایک سو دس یا بارہ میل ہے عشاء کے قریب ہم "عمالہ" میں پہونچے، جو گویا یہاں کے کمشنر یا گورنر کا مستقر ہے، وہاں معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کے قیام کا انتظام "فندق القریہ" میں ہے جو مراکش کا ایک پرسکون دپرفضا ہوٹل ہے ہم لوگ وہاں منتقل ہوگئے اور رات آرام سے گزری۔

مراکش کے تاریخی آثار کی سیر

۱۶ر مئی یکشنبہ

میں طے کر چکا تھا کہ اگر جمعیۃ الجامعات کے پروگرام میں مراکش کے سیر کی گنجائش نہ ہوگی تو میں خصوصی طور پر مراکش کا سفر کروں گا اس لئے کہ اس کے بغیر مغرب اقصےٰ کا کوئی سفر اور اس کی سیر مکمل نہیں ہو سکتی لیکن خوش قسمتی سے خود جمعیۃ کا پروگرام بن گیا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولای حسن ثانی شاہ مراکش، ان دنوں مراکش میں ہیں اور ان کی طرف سے موتمر کے مہمانوں کے اعزاز میں دعوت ہے اور اس کی بھی توقع ہے کہ ان سے ملاقات ہو، بہرحال میں مراکش کے ایک روزہ قیام کو بھی بہت غنیمت سمجھتا ہوں۔

مراکش کی بنیاد، خاندان مرابطین جن کو "ملثمین" بھی کہا جاتا ہے کے اولو العزم بانی امیر المسلمین یوسف بن تاشفین نے ڈالی، یوسف بن تاشفین کی ولادت سنہ ۴۰۰ھ میں محمود غزنوی کی وفات سے اکیس ۲۱ سال قبل ہوئی، اس نے سینتالیس ۴۷ سال حکومت کی، سنہ ۵۰۰ھ میں تقریباً سو برس کی عمر میں وفات پائی، تاریخ وسیر کی کتابیں اس کے فضائل ومحامد اخلاق، پاکیزہ زاہدانہ زندگی، عزم راسخ اور ایمان صادق کے واقعات سے لبریز ہیں، اس کا بڑا کارنامہ "زلاقہ" کی وہ جنگ ہے جو (بارہ رجب سنہ ۴۷۹ھ کو فتح سومنات کے ۶۰ سال بعد ہوئی) سے جنگ اشبیلیہ وقرطبہ کے نامور ادیب وشاعر شجاع ومجاہد سلطان المعتمد بن عباد کی

تحریک و دعوت پر ہوئی، جب "طلیطلہ" کی عیسائی حکومت نے اس مسلمان حکومت کا خاتمہ کر دینا چاہا جو اسپین میں اسلام کی عظمت کا آخری نشان اور اسلامی عربی تہذیب کا آخری قلعہ تھا اور معتمد نے جس کی شجاعت و جانبازی مخالف و موافق سب کو تسلیم تھی۔ جب یہ اندازہ لگالیا کہ وہ اس طاقتور حریف سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا تو اس نے یوسف بن تاشفین سے مدد طلب کی، مصلحت اندیش ارکان سلطنت اور مشیران دربار نے سلطان کو اس کے عواقب سے ڈرایا، اور کہا کہ کوئی مدد کرنے والا بادشاہ مدد کرنے اور دشمن کو شکست دینے کے بعد واپس نہیں جایا کرتا، یوسف کو بلانا سلطنت سے ہاتھ دھونا ہے، معتمد نے اس کا جو جواب دیا وہ اس کی غیرت دینی کی علامت اور تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اس نے کہا کہ "ہمارے بچوں کا مراکشی عربوں کے اونٹ چرانا بہرحال عیسائیوں کے سور چرانے سے بہتر ہے" یعنی اگر اس فتح کے نتیجہ میں ہم اپنے ہم مذہب عربوں کے غلام بن جائیں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم عیسائیوں کے خیمہ بردار، باج گذار ہوں، یوسف بن تاشفین نے "زلاقہ" کے میدان میں ایسی شکست فاش دی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور عیسائیوں کا کوئی گھر ماتم سے خالی نہیں رہا۔ یوسف بن تاشفین کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام میں یادگار رہے گا اور وہ اس کو دنیا کے عظیم مجاہدین اور فاتحین میں شامل کرنے کے لئے کافی ہے لیکن اس چاند کو ایک داغ لگ گیا کہ اس کے چند سال بعد ہی بعض فوجی افسروں کے اصرار پر (جن کے منہ میں اشبیلیہ و قرطبہ کی دولت و تمدن کو دیکھ کر پانی بھر آیا تھا) مُعتَمِد بنْ عباد پر حملہ کیا اور اس کو اسیر جنگ بنا کر مراکش لایا اور "اغمات" میں قید کر دیا[1] جو مراکش کے قریب ایک قصبہ ہے جس میں اس نے نہایت غیرت و

---

[1] بعض مبصروں کا کہنا ہے کہ یہ اقدام اسپین کو عیسائی اقتدار سے بچانے کے لئے کیا گیا جسکی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ اس کو براہ راست مرابطین کی مستحکم حکومت کے انتظام و نگرانی میں لے لیا جائے اور وہ غلطی نہ کی جائے وہ ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان سے واپس چلے جانے کی شکل میں کی تھی۔

خودداری کے ساتھ زندگی گزار کر، قید زندگی سے رہائی حاصل کی اس کے اس دور کے یادگار بہت سے دلدوز واقعات اور سینہ سوز اشعار ہیں جو عربی ادب کی تاریخ میں یادگار رہیں گے، مورخین کا معتمد کے ذاتی کمالات، بے نظیر شجاعت اور اعلیٰ شرافت پر اتفاق ہے۔

مراکش تاریخی آثار کا شہر ہے، وہ طویل ترین مدّت تک مغرب اقصیٰ کا دارالحکومت اور خاندان موحدین کے زمانہ میں دارالخلافت رہا ہے دارالحکومت مملکت ہی میں نہیں بلکہ معاصر دنیا میں مقناطیس کی خاصیت رکھتا ہے جو آہن پاروں کی طرح دنیا بھر کے ارباب کمال ماہرین فنون، شرفاء وسادات، صناعوں اور موجدوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یہاں تک کہ اہل قلوب ومشائخ وقت اور ارباب باطن بھی جو ہمیشہ خدمت خلق اور ارشاد وہدایت کے کام پر مامور اور نفع وافادہ کے حریص ہوتے ہیں، تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے اور بہتر نتائج حاصل کرنے کے شوق میں ان تمام خرابیوں کے باوجود جو حکومت واقتدار، دولت کی بہتات اور فتوحات وغنائم کی کثرت سے پایۂ تخت میں پائی جاتی ہے، انھیں شہروں کا رخ کرتے ہیں، ان کو اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بناتے ہیں یہی بغداد کی تاریخ ہے یہی غزنی ودھلی کی اور یہی قرطبہ ومراکش کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مراکش کے چپہ چپہ پر علماء وصلحاء کی قبور، انکے مدارس اور خانقاہوں کے کھنڈر اور باجبروت بادشاہوں کی محل سرائیں اور قصور ہیں، قیام مراکش کے دوران ایک ذی علم دوست نے ایک کتاب تحفہ میں پیش کی جس کا نام "الاعلام بمن حل مراکش من الاعلام" ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ شہر اس زمانہ میں مرجع عالم، قبلہ حاجات اور ائمہ علوم وفنون اور کبار اولیاء کا مرکز توجہ بن گیا تھا، ان آثار کو دیکھنے کے لئے ایک ہفتہ بھی ناکافی تھا ہمارے پاس تو صرف ایک دن تھا۔ رباط میں جماعت تبلیغ کے امیر حمّد حمادی صاحب نے اس کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ بھی مراکش پہنچ جائیں گے اور وہاں کے تاریخی آثار اور متبرک مقامات کی زیارت میں ہماری مدد کریں گے عرصہ ہوا کہ مراکش کے ایک ذی علم نوجوان شہاب عبداللطیف محمد رائے بریلی مجھ سے ملنے آئے تھے اور دو تین دن غریب خانہ پر قیام کیا تھا، حمادی صاحب

نے ان کو میری آمد کی اطلاع کردی تھی، وہ شہر سے بہت اچھے واقف ہیں، صبح وہ اور حمدادی صاحب شہر کے ایک بڑے تاجر کے ساتھ جن کا کپڑا بننے کا ایک کارخانہ ہے، ہوٹل آگئے، ان ہی کی موٹر پر ہم لوگ تاریخی آثار دیکھنے کے لئے نکلے، ہمارے پاس صرف ظہر تک کا وقت تھا، اس لئے اس میں جتنے تاریخی آثار دیکھے جا سکتے تھے، دیکھنے کی کوشش کی گئی، علماء وصلحاء کے مقابر میں سیرۃ کی شہرۂ آفاق کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" کے نامور مصنف فخر مغرب قاضی عیاض سیرۃ ابن ہشام کے شارح امام سہیلی صاحب دلائل الخیرات محمد بن سلیمان جزولی، مشائخ واولیا میں سے شیخ ابو العباس السبتی اور صاحب الغار ابو یعقوب یوسف بن علی کے مزارات کی زیارت کی، سلاطین وملوک میں سے امیر المسلمین یوسف بن تاشفین، بانی مراکش اور ملوک سعدیین کے مقابر کو دیکھا اور فاتحہ پڑھی یہ مقابر بڑے سرسبز مقام، عمدہ عمارت ونقوش بدیعہ سے آراستہ ہیں مولای سلیمان کی قبر پر بھی گئے جو موجودہ شاہ کے اجداد میں ہیں، مساجد ومدارس میں سے مسجد المرابطین کے کھنڈر دیکھے جس کو بعد میں مسجد الموحدین میں تبدیل کیا گیا یعقوب المنصور الموحدی کی تعمیر ہے جو رباط کا بانی تھا، علی بن یوسف کی مسجد کے پاس سے بھی گزرے جس میں مدرسہ بھی تھا جو قروین کی ٹکر کا تھا، ابن یوسف کا مدرسہ بھی دیکھا جو بنی مرین کے عہد سے تعلق رکھتا ہے یعقوب بن منصور سعدی کی مسجد بھی دیکھی۔

شاہی محلات وآثار میں سے قصر البہیہ دیکھا جس کی تعمیر سلطان مولای حسن اور سلطان عبد العزیز کے حبشی نژاد وزیر ابو احمد بن موسی نے اپنے زمانۂ عروج میں .... اس سیر چشمی کے ساتھ کرائی کہ اس کا وقت وہ تماشاہ عالم بنا ہوا ہے، سیاحوں کا ہجوم ہر وقت رہتا ہے یہ وزیر سلطنت مغرب پر پورے طور پر حاوی تھا، یہ مکان اس کا سکریٹریٹ بھی تھا اور حرم سرا بھی قصیدہ بردہ اس کے در ودیوار پر منقش ہے، اس کے دیکھنے سے، اس زمانہ کے تمدن اور امراء کے رہن سہن کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، دوسرے آثار میں سے المنارہ دیکھا جو سعدیین کے عہد کا ایک طویل وعریض تالاب ہے، اس میں پانی

آنے کا طریقہ اس زمانہ کے انجینیروں کو دریافت نہ ہو سکا، اب اس میں رائج الوقت طریقے سے
پانی بھرا جاتا ہے اسی کے پاس ایک زیتون کا باغ ہے جو اسی قدیم عہد کا سمجھا جاتا ہے۔
علی بن یوسف بن تاشفین کی بنائی ہوئی شہر پناہ دیکھی جو کہا جاتا ہے کہ اس نے ابن رشد کے مشورہ
سے موحدین کے حملہ سے حفاظت کے لئے بنائی تھی، باب الربط دیکھا جس میں حدود شرعیہ کا
اجراء ہوتا تھا۔ منتزہ اکدال ایک وسیع سیرگاہ جو موجودہ قصر شاہی کے پاس ہے، اس میں دو چھوٹے
بڑے تالاب اور زیتون کے باغات ہیں۔

قبور کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل اور ہم لوگوں کو بالکل
نئی معلوم ہوتی ہے کہ اکثر قدیم قبور اس طرح ہیں کہ مدفون کے پاؤں قبلہ کی طرف ہیں، ہمارے رفیق
شہاب بن عبداللطیف نے بتایا کہ مذہب مالکی میں یہی طریقہ افضل سمجھا جاتا ہے یہ بات بہت عجیب
معلوم ہوئی اس لئے کہ خود امام مالک اور بقیع وجنّت المعلیٰ کی ساری قبریں اور خود مرقد نبوی علی
صاحبہ الصلوٰۃ والسلام قبلہ رُخ ہیں۔

ان آثار ومقابر اور قصور کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی، حکومت وسلطنت کی
ناپائیداری کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ دل ودماغ تھک گئے دنیا ایک کھیل تماشا اور زندگی ایک
خواب معلوم ہونے لگی اور غالب کا یہ شعر حقیقت معلوم ہونے لگا۔

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ہمارے رفیق الحاج محمد بن ادریس اپنے مکان پر لائے جو قاعۃ بنی ناہید میں
واقع ہے، ان کے یہاں ظہر کی پڑھی، دوپہر کا کھانا کھایا جس پر انھوں نے اور بھی بعض دوستوں
کو مدعو کیا تھا، تھوڑی دیر آرام کے بعد پھر ہوٹل واپس آئے۔

عصر کے بعد دارالحدیث الحسینیہ کے فضلاء کا جلسہ تھا جس میں بادشاہ کے سکریٹری
بن سودہ نے بادشاہ کا پیغام پڑھ کر سنایا، مختلف تقریریں ہوئیں ہمارا ارادہ آج بعد مغرب الدارالبیضا

روانہ ہونے کا تھا، لندن عزیزی مسٹر وُدا حسَنْ لکھنوی کو اپنی آمد کا تار بھی دیا جا چکا تھا، لیکن جلسہ کے بعد جمعیۃ کے سکریٹری مُحَمَّدْ البَشِیْر نے بڑے اصرار سے کہا کہ کل رک جایئے، بادشاہ کے یہاں دعوت ہے اور قصر شاہی میں ملاقات کا پروگرام بھی، دعوت کی اہمیت تو اتنی میری نظر میں نہ تھی لیکن یہ خیال پیدا ہوا کہ اتنا طویل سفر کیا اور دو ہفتہ قیام کیا اور شاہ سے ملاقات نہیں ہوئی، وہ دومرتبہ مجھے رمضان میں آنے کی دعوت دے چکے ہیں، مگر میں نے معذرت کر دی تھی، کتابوں کے ذریعہ غائبانہ واقف بھی ہیں، شاید یہ ملاقات کچھ مفید ہو اور اس میں کچھ گوش گزار کرنے کا موقع ملے اس لئے میں نے نیم وعدہ کر لیا۔ محمد بشیر کے بعد مولائی مصطفےٰ علوی نے بڑے اصرار سے روکا، میں ان کا احترام کرتا ہوں، چار و ناچار منظور کر لیا لیکن جب ہوٹل واپس آیا تو طبیعت پر سخت گرانی تھی، بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اتنی جلدی پروگرام کیوں ملتوی کر دیا، معلوم نہیں اس التوا کا کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں، یہ احساس اتنا بڑھا کہ خیال ہوا کہ شیخ مُحَمَّدْ الفَاسِیْ سے ذاتی طور پر اجازت لے کر صبح تڑکے روانہ ہو جاؤں اور الدار البیضاء سے جہاز پکڑ لوں جس پر سیٹیں پہلے سے رزرو ہیں، لیکن قسمت سے کسی ذمہ دار آدمی سے ملاقات نہ ہو سکی اور منتظمین کی لاعلمی میں سفر پر روانہ ہو جانا مناسب معلوم نہیں ہوا بہر حال سفر کا ارادہ ملتوی کیا لیکن رات کشمکش میں گزری۔

شاہی دعوت و ملاقات

۱۷/ مئی دوشنبہ

یہ سمجھ کر کہ آج قیام ہو ہی گیا ہے بقیہ تاریخی آثار کو دیکھنے کی کوشش کی ان میں سے متعدد وہ تھے جن کا تذکرہ کل کی سیر و سیاحت کے دوران آچکا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ ان کو یکجا ہی لکھ دیا جائے پھر بھی مراکش کی تاریخی سیر مکمل نہ ہو سکی، یورپین سیاحوں کی سبب سے

بڑی تعداد یہیں کا رُخ کرتی ہے اس کی ایک وجہ اس کا موسم اور دھوپ کی موجودگی ہے جس کو یورپ کے لوگ ترستے ہیں، تاریخی آثار اور محل سراؤں کی کثرت ہے آج کے قابل دید مقامات میں سے جامع کتبیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ملک مغرب کی وسیع ترین، بلند اور ممتاز مسجد ہے لیکن فی زمانہ مرمّت طلب وغیر آباد ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہاں آٹھ سو کتب فروشوں کی دوکانیں تھیں۔

منارۂ کتبیہ

یہ منارہ ہفت منزل ہے جس کی بلندی دو سو ستر فٹ اور چوڑائی پچاس فٹ ہے جب کہ ہندوستان کا شہرہ آفاق قطب مینار ۲۳۸ فٹ بلند اور ½ ۴۷ فٹ چوڑا ہے یہ مسجد قطب مینار سے چار سال پہلے تعمیر ہوئی۔

چونکہ آج شاہی دعوت میں شرکت کرنی تھی اس لئے جلد ہوٹل واپسی ہوگئی تاکہ تمام رفقاء کے ساتھ دعوت میں شرکت کے لئے روانگی ہو، دعوت کا انتظام شاہانہ پیمانہ پر ایک باغ میں تھا جو ہمارے شہر لکھنؤ کے سکندر باغ اور بنارسی باغ کے بہت مشابہ تھا، پھولوں کی کیاریاں اور چمن کی روشیں بہار دکھلا رہی تھیں اور ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کی سرزمین بہت زرخیز اور گلریز ہے، ایک عمارت کے صحن میں ہم لوگ بٹھائے گئے، شاہی عملہ اپنی خاص وردی میں اس میں سرخ ٹوپیا اور سفید ڈھیلا ڈھالا لباس شامل ہے اور یہ وردی پوشش زیادہ تر سوڈانی معلوم ہوتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کے لئے کمربستہ کھڑا تھا، ان کے افسر بھی نگرانی کے لئے موجود تھے بادشاہ کی طرف سے ان کے چیف سکریٹری محمد بن سودہ مہمانوں کی پذیرائی اور ان کا ساتھ دینے کے لئے موجود تھے، کھانے پانچ قسم کے، خالص مغربی وضع کے تھے جو بڑے بڑے تھالوں میں لائے جاتے اور ہر پانچ سات آدمیوں کے درمیان جو الگ الگ بیٹھے تھے رکھ دیئے جاتے تھے کھانوں میں بھی صدر نشین گوشت ہی تھا، تھوڑے

کھانے کے بعد وہ تھال اٹھالیا جاتا تھا اور دوسرا لایا جاتا تھا۔

کھانا ختم ہوا تو لوگ آرام کے لئے ہوٹل میں آئے، عصر کے بعد یہ کارواں میونسپل ہال کی طرف روانہ ہوا جہاں چائے اور پیسٹری سے اس کی تواضع کی گئی، اس کے بعد قصر ملکی کا رخ کیا گیا، اندر پہنچ کر تمام مہمان ایک مثلث دائرہ میں کھڑے کر دیئے گئے، بادشاہ تشریف لائے اور سلام کیا، صدر جمعیۃ شیخ محمد الفاسی نے جو انکے استاذ بھی ہیں، ایک ایک کا تعارف کرایا، بادشاہ ہر ایک سے مصافحہ اور مزاج پرسی کرتے، جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو مجھ کو تمام رفقاء کی طرف سے کچھ کہنے کا موقع دیا گیا۔

میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ میں اس سلام پر اکتفا کرتا ہوں جو ہمارے آپ سب کے پیغمبر اور آپ کے جد والا تبار (روحی فداہ) نے تمام مسلمانوں کو سکھایا ہے یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' دعا بھی میں وہ دوں گا جو مبارک ترین دن کی مبارک ترین گھڑی اور ساعت قبولیت میں مساجد کے منبروں پر ہر جمعہ کو خطیب کیا کرتے ہیں، یعنی اَللّٰھُمَّ انصُرْ مَنْ نصَرَ دِینَ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ" پھر میں نے کہا کہ میں آپ کو عالم اسلامی کی طرف سے ایک بہت عزیز پیغام پہنچانے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو ایک امانت کی طرح میرے سپرد کیا گیا ہے وہ ایک آج دنیا کے مسلمان بے چینی سے اس کے منتظر ہیں کہ عالم اسلام کے افق سے کوئی نیا ستارہ طلوع ہو، مسلمان اس وقت ایسی غیر معمولی حالت سے گزر رہے ہیں جن میں کوئی ایسی ہی غیر معمولی قائدانہ شخصیت ان کی مشکل کشائی اور چارہ سوزی کر سکتی ہے جو غیر معمولی قوت ایمانی، عزم راسخ اور اخلاص کامل سے متصف ہو، اس صورت حال کی تصویر قرآن شریف نے اپنے بلیغ معجزانہ انداز میں پہلے ہی کھینچ دی ہے۔

حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ۔

آج بھی نقشہ یہی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے نصرت خداوندی کے سوا

کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا، ایسے نازک موقعوں پر عالم اسلام کے کسی گوشہ سے کوئی قدآور، کوہ پیکر شخصیت اچانک نمودار ہوئی اور اس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا، لیکن اس کے لئے صدق و اخلاص اور عزم و ہمّت کی ضرورت ہے یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جو سیاسی اغراض و مفادات سے بلند ہو کر رضائے الٰہی اور خدمت اسلام کا عہد کرے، دور آخر میں آپ کے والد نامدار سلطان محمّد الخامسؒ پر لوگوں کی نگاہیں پڑتی تھیں، کیوں کہ اللہ نے ان میں ایسی بہت سی صفات و خصوصیات جمع کر دی تھیں، جو اس منصب رفیع کے لئے ضروری ہیں لیکن ان کو جلد پیام رحیل آگیا کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لینا چاہتا ہو۔

میری تقریر کے بعد عمید کلیۃ اللغۃ شیخ سلیمان حسن ربیع مصری نے تقریر کی اجازت مانگی اور اشارہ پانے پر انھوں نے بھی ایک مختصر تقریر کی جس میں زیادہ تر ازہر کے کردار اور خدمات کا ذکر تھا، ایک آدھ صاحب نے بادشاہ سے اپنی گہری عقیدتمندی اور اخلاص کا اظہار کیا۔

اس کے بعد ملک حسن نے ایک برجستہ تقریر کی جو صحیح اور فصیح عربی میں تھی اور جس میں بعض احادیث کے متون بھی تھے جن سے اندازہ ہوا کہ وہ مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور کتب حدیث پر بھی ان کی نظر ہے، انھوں نے پہلے اس کا ذکر کیا کہ میرے والد محترم نے میری تربیت ایسی کی کہ علماء کا احترام میری گھٹی میں پڑا ہوا ہے، آج مجھے اتنے کثیر التعداد علماء سے جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں، بیک وقت ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے، پھر انھوں نے علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور خاص طور سے دین کے اخلاقی و معاملاتی پہلو پر زور دیا اور مغربی علوم و زبان کے سیکھنے کی ترغیب دی۔

شاہ معظّم کی عمر چالیس پینتالیس ۴۰ ۴۵ سال کی معلوم ہوتی ہے، میانہ قد چھریرا بدن چہرہ پر شرافت و تواضع کے آثار، لباس مغربی، زبان عربی، اس پر مستزاد عالی نسبی، ان سب چیزوں نے ان میں ایک خاص کشش پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ اسلام

پسند طبقہ کی ایک تعداد کو ان سے بعض شکایتیں ہیں، خاص طور پر دین کی سربلندی کے داعیوں کی ایک جماعت کو اس وقت ہر قسم کی سرگرمی و آزادی سے محروم کر دینے سے اور بھی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، اس سلسلہ میں شاہ کی کیا مجبوریاں اور ملک کے کیا مصالح تھے اس کا جانبدارانہ جائزہ وقت کی کمی اور مصروفیت کی زیادتی کی وجہ سے نہیں لیا جا سکا پھر بھی وہ اخلاص وعزم کے ساتھ صحیح کوشش سے ملک کی ایسی محبوب شخصیت بن سکتے ہیں جس پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں وہ تنہا مسلمان سربراہ سلطنت تھے جنھوں نے عربوں کی مدد کے لئے فوج بھیجی (اگرچہ جمال عبدالناصر کی کوتاہ بینی نے اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیا) اس سے ان کا احترام ملک کے باشندوں میں بڑھ گیا، پھر مغرب واسپین کے متنازعہ صحرا میں انھوں نے جس رضا کارانہ مہم کی قیادت کی جس کو یہاں المسيرة الخضراء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کو بڑی کامیابی کے ساتھ اختتام تک پہونچایا اس نے ان کی اہمیت میں بڑا اضافہ کر دیا، شاید انھیں باتوں کا نتیجہ تھا کہ ان کے خلاف قتل کی دو مرتبہ سازشیں ہوئیں اور دونوں مرتبہ حملہ آوروں نے ان کے قدموں پر ہتھیار ڈال دیئے۔

ان کی اس کامیابی میں بڑا دخل ان کے ولی صفت والد ماجد سلطان محمدؒ الخامس کو ہے میں نے اس دو ہفتہ کے قیام میں عوام و خواص میں سے ہر ایک کو جس میں سیاسی پارٹیوں کے لیڈر بھی تھے اور دینی طبقہ کے ممتاز افراد بھی، تاجر بھی تھے اور ناخواندہ بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان پایا اس میں تو کچھ دخل سلطان محمد الخامس کی بے داغ مذہبی زندگی، دینداری اور علم کو بھی تھا، اس سے زیادہ اس کو کہ انھوں نے فرانسیسی اقتدار کا خوددارانہ اور دلیرانہ مقابلہ کیا، اور پہاڑ کی طرح اس کے سامنے جمے رہے، وہ فرانس کی پوری کوششوں کے باوجود اونے پونے سودا کرنے پر راضی نہیں ہوئے مغرب کی آزادی کامل کا مطالبہ کیا اور اس پر آخر تک ڈٹے رہے اس کے نتیجہ میں ان کو ۵۳ء سے ۵۵ء تک

جلا وطنی کی زندگی بھی گوارا کرنی پڑی اور طویل نظر بندی بھی، ان کی عام مقبولیت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ سنایا گیا، کہ ایک مرتبہ فرانسیسیوں کے اقتدار کے زمانہ میں سارے ملک میں یہ ہوا اڑ گئی کہ سلطان محمد الخامس چاند میں چلے گئے ہیں، ہر چھوٹے بڑے مرد وعورت کی زبان پر "السلطان محمد الخامس فی القمر، السلطان محمد الخامس فی القمر" تھا یہ بات اتنے وثوق سے کہی جاتی تھی کہ فرانسیسیوں کو شبہہ ہونے لگا کہ کہیں یہ بات صحیح نہ ہو، پھر جب مغرب آزاد ہوا اور وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو لوگوں کی مسرت کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور انکو چند سال اور حکومت کا موقع مل جاتا تو مملکتِ مغربیہ صحیح معنی میں ایک مستحکم اسلامی سلطنت بن جاتی جوان بہت سی خصوصیات کی حامل ہوتی جن سے اکثر عرب ومسلم حکومتیں خالی ومحروم ہیں۔ لیکن ان کے ناگہانی حادثۂ وفات نے جو ۱۹۶۱ء میں ایک معمولی آپریشن کے نتیجہ میں پیش آیا، ملک کو ان کی یگانہ شخصیت سے محروم اور اہل ملک کو غم والم کے گرداب میں ڈال دیا اور ان کے نوعمر جواں سال فرزند کے دوش پر ان ذمہ داریوں کا بوجھ پڑ گیا۔ جو ایک دیرینہ سال، آزمودہ کار صاحب عزم، متفق علیہ شخصیت کے متقاضی ہیں، اب یہ وسیع وزرخیر ملک، جو قدرتی دولتوں سے مالا مال اور جس کی وسعت میں حال کے حاصل کئے ہوئے صحرا نے اور اضافہ کر دیا ہے اور جس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کچھ زیادہ ہے، جو ایک ہی دین کی حلقہ بگوش، ایک ہی تہذیب کی حامل اور تقریباً ایک ہی فقہی دبستان فقہ پر عامل ہے، ان کی تولیت ونگرانی میں ہے، یورپ کے دہانے پر ہونے کی وجہ سے اس کو مغربی تمدن اور مغربی افکار کے چیلنج کا مقابلہ دوسرے اسلامی اور عرب ممالک سے زیادہ کرنا پڑ رہا ہے اور اس کے لئے زیادہ جرأت وذہانت کی ضرورت ہے، یہ بے چینی اور انقلاب کا دور ہے، متعدد بیرونی واندرونی طاقتیں اور تحریکیں ملک میں سرگرم کار ہیں۔

رات کو باوجود کوشش کے بھی تاخیر سے الدار البیضاء کو روانگی ہوئی ایک بجے شب میں وہاں پہنچنا ہوا، جمعیۃ کے سکریٹری نے ہوٹل "مرحبا" میں ہم لوگوں کے لئے کمرے

بک کر لئے تھے، تھوڑی رات باقی رہ گئی تھی، دو تین گھنٹہ آرام کر کے صبح سفر کی تیاری شروع کردی، حمداوی بھی الدار البیضاء پہنچ گئے تھے، ان کی رفاقت میں پہلے تبلیغی مرکز میں گئے وہاں کچھ لوگ پہلے سے منتظر تھے، مختصر سا خطاب کر کے ہوائی اڈے روانہ ہوئے، ساڑھے دس بجے کے قریب جہاز نے لندن کے لئے پرواز کی، آدھ گھنٹہ کے قریب وہ طنجہ ٹھہرا اس شہر کے قریب تطوان میں ہمارے فاضل دوست، مغرب کے ممتاز عالم و مفکر الاستاذ عبداللہ کنون رکن" رابطۃ العالم الاسلامی" و صدر رابطۃ علماء المغرب کا قیام ہے جو اپنی علالت کی وجہ سے کہیں آسکتے ہیں اور نہ جاسکتے ہیں، طنجہ و تطوان آنے کی دعوت دی تھی، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے اس اہم ساحلی شہر میں جو مغرب کے خوبصورت شہروں میں سے ہے جانا نہیں ہوسکا، اس سے زیادہ اس بات کا قلق ہے کہ تطوان ہی میں ہمارے قدیم مخلص دوست اور پرانے رفیق کار شیخ محمد العربی الہلالی سکونت پذیر ہیں وہ بھی اپنی علالت کی وجہ سے رباط نہ آسکے، انھوں نے بڑے خلوص و محبت سے تطوان آنے اور قیام کی دعوت دی تھی لیکن میں ان کی فرمائش پوری نہ کرسکا، آج جبکہ جہاز طنجہ سے گزر رہا ہے وہ اپنے علاج کے سلسلہ میں اسپین گئے ہوئے ہیں، ورنہ طنجہ کے ہوائی اڈہ پر ان سے ملاقات ہوجاتی۔

اب مَغْرِبِ اقصیٰ کی محبوب و تاریخ ساز و عہد آفریں سرزمین کو مشرق کے مسافر کا سلام اور اس خدا کی رحمتیں جو رب المشرق والمغرب ہے اور جس نے اسلام کے ذریعہ ان دونوں کو ایک لڑی میں اس طرح پرو دیا ہے کہ وہ ایک ہی ہار کے دو گوہر شہوار معلوم ہوتے ہیں، اور وہاں کے ان باشندوں کو سلام جنھوں نے اسلامی اخوت و محبت اور عربی شرافت و ضیافت کا پورا ثبوت دیا اور جواب بھی اس عہد پر قائم ہیں جو اسلام کے ابتدائی داعی اور فاتح اس سرزمین میں لائے تھے۔

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
زما سلام رسانید ہر کجا ہستند

مغرب اقصیٰ مراکش

ماضی و حال کے آئینہ میں

مجھے مشرق اسلامی کے اکثر ممالک کے سفر کا نوجوانی یا زندگی کے اس دور میں موقع ملا ہے جس کو ہم زندگی کی صبح یا ظہر سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کہ اس دل نواز سرزمین کی زیارت کا موقع مجھے اس وقت ملا جب زندگی کا آفتاب مائل بمغرب ہے۔

اسلامی کتب خانہ میں مغرب اقصیٰ کا حصّہ

مغرب اقصیٰ (مراکش) کا یہ سفر جسمانی طور اور مہینوں اور سالوں کے حساب سے ضرور تاخیر کے ساتھ ہوا، لیکن اس سفر روحانی میں کوئی تاخیر نہیں ہوئی جو علم و تحقیق اور اسلام کے اس وسیع اور عالمگیر کتب خانہ کے سایہ میں ہوا، جس میں مغرب اقصیٰ کا بڑا حصّہ ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس میں اس کا ایک پورا شعبہ اور (corner) ہے جس کا شمار اس کتب خانہ کے بہت اہم حصوں اور شعبوں میں ہے، میں نے اس کے حسین تصورات اور اس کی عظیم المرتبت ہستیوں اور سرآمد روزگار شخصیتوں کے ساتھ ایک زمانہ گزارا ہے، میں اس کے اہم شہروں، تاریخی مقامات تاریخ ساز جامعات، سادہ و دلنواز مساجد، اس کی حکومتوں اور تہذیبوں اس کی مہم جوئیوں اور سر فروشیوں، اس کے عروج و اقبال اور اس کی ناکامیوں و کامرانیوں کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں، میں نے

اس کی طویل تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا ہے جو مختلف رنگوں اور اہم واقعات و انقلابات سے بھری ہوئی ہے اور جس سے ہر وہ زندہ، باعزت، غیور اور خوددار قوم گزرتی ہے، جس کا قوموں کی برادری میں کوئی مقام ہوتا ہے، جس کو اپنی دعوت اور اپنی شخصیت عزیز ہوتی ہے، جو ہر وقت دشمنوں اور مخالفوں کے نرغہ میں رہتی ہے اور ہمت بلند رکھتی ہے۔

فتح وکامرانی کا رباط

یورپ کے قرب اور عالم اسلام کے مغربی حدود کے آخری کنارہ پر واقع ہونے کی وجہ سے مغرب اقصیٰ کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہمیشہ حالتِ تیاری میں اور ہمہ وقت چاق وچوبند رہے "رباط "، جس کے معنی ہی سرحدوں کی پاسبانی اور ایثار وقربانی کے ہیں، دراصل مغرب اقصیٰ کے صرف ایک شہر کا نام نہیں جو آج اس کا پایۂ تخت ہے، بلکہ پورا مغرب اس لحاظ سے رباط ہے، اور تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ یہ ناکامی وہزیمت کا "رباط " نہیں فتح وعزیمت کا "رباط" ہے۔

اُندلسؔ کی یاد

مغرب ہی وہ اصل دروازہ تھا، جہاں سے طارق بن زیاد کی قیادت میں مجاہدین کا پہلا دستہ اندلس میں وارد ہوا اور اسلام کے عروج واقبال اور یورپ میں علم وعقل کی شعاعیں پھیلنے کا ذریعہ اور نقطۂ آغاز بنا، یہاں حکومت بھی تھی، تہذیب بھی، علم بھی اور عقل بھی، یہ اندلس فاتحین اسلام کے خواب شیریں شعراء ومتغزلین کی جنت نگاہ وفردوس گوش اور مورخین اور جغرافیہ دانوں کے محبوب موضوع کی حیثیت سے ابھر کر دنیا کے نقشہ میں آیا، یہ ایک جنت ارضی تھی، جہاں علم کی گرم بازاری بلکہ حکمرانی وفرماں روائی تھی، جس کو علماء وشعراء نے اپنا نشیمن اور گلشن بنایا تھا۔ فقہ، شعر وادب، فلسفہ اور فن تعمیر میں اسکا ایک علٰحدہ اور مستقل مدرسۂ فکر

اور مکتب خیال تھا، جہاں مرسیہ، بلنسیہ، جیاَن، شاَطبہ، قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، مدینۃ الزھرا اور قصر الحمراء جیسے زندہ اور بولتے ہوئے شہر آباد تھے۔

اندلس اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں مغرب اقصیٰ کا ممنونِ کرم رہ چکا ہے اس نے اندلس کو بار بار مدد اور کمک پہنچائی ہے اور اس کی تاریخ کے تاریک ترین وقفوں میں وہ مجاہدین و فاتحین اس کو عطا کئے ہیں جنھوں نے اس کو موت کے منہ سے اور اس کے ڈوبتے ہوئے سفینہ کو بھنور سے نکالا ہے، اور زندگی و قوت کی ایک نئی قسط اس کو بخشی ہے ان میں خصوصیت کے ساتھ ہم سلطان یوسف بن تاشفین (معرکۂ زلاقہ ۴۷۹ھ کے خاص ہیرو اور فاتح) کا نام لے سکتے ہیں، یہ وہی سلطان ہے جس نے مراکش کا شہر تعمیر کیا اس کے بعد معرکۂ مرج الحدید ۵۹۱ھ کے فاتح مجاہد جلیل ابو یوسف المنصور الموحدی کا نام آتا ہے، جنھوں نے اس فتح مبین کی خوشی میں رباط الفتح کے نام سے یہ شہر آباد کیا اس کے بعد ہم مجاہد عظیم علی الشریف الحسنی (۷۶۲ھ ۸۴۷ھ) کا نام لے سکتے ہیں، جو علوی، سجلماسی سلاطین کے مورث اعلیٰ اور موجودہ حکمراں خاندان کے جد امجد ہیں، جنھوں نے اندلس کی سرحدوں کو جہاد کرتے ہوئے کئی بار عبور کیا، لیکن جب تخت سلطنت ان کو پیش کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں اپنے اس عمل کو کسی دنیوی منفعت سے آلودہ کرنا نہیں چاہتا۔

فردوس گمشدہ کا ایک جھونکا

مغرب اقصیٰ سے اندلس کی طرف اتنی جلد منتقلی کی میں معافی چاہتا ہوں، یہ نسیم جانفزا کا ایک جھونکا تھا جو اس فردوس گم شدہ سے (جہاں کی خاک پاک میں مسلمانوں کے خون اور آنسو جذب ہیں اور جس سرزمین پر ان کی ذہانت، عبقریت، انسانیت و شرافت اپنی اعلیٰ ترین شکل میں ظاہر ہوئی) اچانک یہاں آگیا اور کچھ اس لئے بھی کہ اگر کوئی شخص تنگنائے جبل الطارق پر کھڑا ہو تو اندلس اس کو بالکل قریب نظر آئے گا اور ظاہر ہے کہ قرب مکانی میں

جو اثر ہے وہ بعد مکانی میں کیسے ہو سکتا ہے۔

اسلام کی آفاقیت

مغرب اقصیٰ (یا مغرب اسلامی و عربی) جو قرون اولیٰ میں وجود میں آیا اور برگ و بار لایا، اسلام کے پیغام کی جہاں گیری کا روشن ثبوت ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اقوام عالم کو ان کے تنگ دائرہ اور اس گوشۂ گمنامی سے (جہاں وہ برسوں سے یا صدیوں سے زندگی گزار رہی تھیں) ایک نئی اور کشادہ دنیا میں لے آتا ہے، اور انھیں خانہ جنگیوں اور قبائلی لڑائیوں نیز زندگی و کائنات کے محدود تصور سے نکال کر قافلۂ انسانی کی ہم رکابی بلکہ اسکی قیادت و رہنمائی اور تہذیب انسانی کی تعمیر و تشکیل، علم کی ترقی اور انسانیت کے پیچیدہ مسائل سے دلچسپی کے وسیع میدان میں داخل کرتا ہے، یہ شمالی مغربی پٹی جو لیبیا سے بحر اٹلانٹک تک پھیلی ہوئی ہے متمدن اور ترقی پذیر دنیا سے مختلف تحریکوں، تنظیموں، مذہبی اداروں اور مدارس فکر سے معمور و آباد ہے، بالکل جدا تھی بیرونی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، اس کا اگر رومن شہنشاہی سے کوئی تعلق تھا تو وہ صرف محدود عسکری بنیاد پر، نہ اس کی کوئی شخصیت تھی نہ اس کے پاس کوئی پیغام تھا، یہ ممالک جو طرابلس سے مراکش تک پھیلے ہوئے تھے، چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں سخت جانی و سخت کوشی، سنگدلی اور سفاکی اور فاتحین کے خلاف مسلسل شورش و بغاوت میں مشہور تھے، یہاں تک کہ وہاں کے اصلی باشندے (ان اصحاب سے معافی چاہتے ہوئے جن کا ان نسلوں سے نسبتی تعلق ہے) فخر و غرور اور وحشیانہ سلوک میں ضرب المثل ہو گئے، اور بربر اور بربریت دنیا کی تمام زبانوں میں اس کے ہم معنیٰ قرار پائی، ان قوموں میں ہمیں سوائے قبائلی لڑائیوں اور خانہ جنگیوں، قدیم عادتوں سے وابستگی یا مخصوص قبائلی روایات کے کوئی اور مفید تعمیری و علمی سرگرمی مطلق نظر نہیں آتی نہ ان کے پاس کوئی ترقی یافتہ زبان تھی، نہ اعلیٰ و نفیس تہذیب، نہ کوئی معقول مذہب، نہ مشہور شہر اور آبادیاں، عصر قدیم کا ان کے پاس جو کچھ

سرمایہ تھا، وہ بھی کھنڈروں اور شہروں کے ملبہ کے نیچے دفن تھا، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ خوابیدہ اہلیتوں اور صلاحیتوں، مخفی طاقتوں اور سوئے ہوئے جذبات کی تحریک اور اعلیٰ مقاصد، تعمیری کوششوں، انسانیت کے وسیع نقطۂ نظر اور نسل آدم کے لئے مادی وسائل اور قوتوں کے صحیح استعمال میں اسلام کا کیا حصّہ ہے اور اس کا رُخ شر سے خیر کی طرف پھیر دینے کی کیسی صلاحیت اور قدرت اس کو حاصل ہے۔

مغرب اقصیٰ کی بازیافت

جب اس دور دراز، گمنام اور مؤرخوں، جغرافیہ دانوں اور مصنفوں کی نظر سے مخفی و مستور گوشہ پر اسلام کی بادِ بہاری کا جھونکا آیا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک نئی دنیا وجود میں آگئی جس میں ہر چیز نئی تھی۔

یہاں قیروان، فارس، لمناس، مراکش، رباط، سوسہ، سرقطہ، باجہ، بجایہ تلمسان، تونس جیسے شہر وجود میں آئے، جہاں حدیث و تفسیر، فقہ و تصوف، شعر و ادب، نقد و تاریخ اور فلسفہ و حکمت کے ائمہ و نادرۂ روزگار، محقق و مفکّر پیدا ہوئے جن کا شمار کرنا مشکل ہے، یہاں جامع القرویین اور جامع الزیتونہ جیسے مدارس قائم ہوئے اور ان سے علوم و فنون کے ایسے ائمہ تیار ہو کر نکلے جنکے نقوش عربی زبان اور علوم اسلامیہ کے میدان میں ابھی تک باقی ہیں۔

مغرب اسلامی کو اپنی تاریخ میں متعدد سخت معرکے پیش آئے، کئی حکومتیں آئی گئیں، کئی خاندان بدلے، اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک گھرانہ سے دوسرے گھرانہ تک منتقل ہوتا رہا۔ اور سلطنت کو سخت نشیب و فراز سے دو چار ہونا پڑا لیکن اس ملک نے اپنی اسلامی شخصیت، مخصوص عربی طرز اور علم و ثقافت کے اعلیٰ ذوق کی ہمیشہ حفاظت کی، وہاں علم کی گرم بازاری مختصر وقفہ کے لئے بھی سرد نہیں پڑی، مساجد و مدارس برابر اپنا پیغام پہنچاتے اور اپنا کردار ادا کرتے رہے علماء ربانی، اہل حق اور مردان خدا کلمۂ حق کہتے، اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔

اس لحاظ سے یہ انقلابات اور تبدیلیاں سطحی اور وقتی تھیں عرب قوم کے جوہر اصلی کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اس کی شخصیت اور ایمان وعقیدہ پر کوئی اثر نہ پڑا، مذہب وہی مذہب رہا ثقافت وہی ثقافت ذوق وہی ذوق۔

نئے معرکے اور نئی فتحمندیاں

آخر میں اس کو ایک ایسے سامراج یا زیادہ صحیح الفاظ میں فوج کشی سے سابقہ پڑا جو اس طرح کے بیرونی حملوں میں شاید سب سے زیادہ سنگین تھا، وہ زیادہ ذہانت، وقت نظر اور منصوبہ بندی کے ساتھ بنایا گیا تھا، اور بہت دور رس اثرات کا حامل تھا یہ فرانسیسی اقتدار تھا، جس کے ساتھ بعض موقعوں پر اسپینی سامراج بھی شامل ہو گیا تھا، اس نووارد سامراجیت میں عزم وارادہ بھی تھا اور وضاحت وتعین بھی وہ جدید ترین اسلحہ سے لیس تھا اور مکمل فکری ثقافتی علمی وتہذیبی تباہ کاری کے درپے، جن وسائل اور جن طریقوں کو اس نے استعمال کیا اس میں نسلی امتیاز عرب اور بربر کی تفریق اور قدیم تہذیب وثقافت کے احیاء کا جذبہ شامل تھا جو لوگ عمر رسیدہ ہیں وہ الظہیر البربری[1] کو بھی بھول نہیں سکتے جس نے ماقبل اسلام کے عہد کی طرف واپس جانے کی کھلم کھلا دعوت دی اور بربری زبان کے احیاء وترویج کا نعرہ لگایا یہ ایک گہری اور دور رس سازش تھی جو اسلامی وحدت بلکہ اسلامی وجود اور شخصیت کو پارہ پارہ کرنے کیلئے کی گئی۔

لیکن مغرب اسلامی نے ان تمام ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا پوری استقامت اور شعور وہوشمندی کے ساتھ مقابلہ کیا، ان بربر مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ ان کا ایمان عربوں کے ایمان سے اور دین اسلام پر ان کا فخر عربوں کے فخر ومسرت سے کسی طرح کم نہیں۔

مغرب اپنے دونوں بازوؤں (عرب اور بربر) کے ساتھ اس معرکہ میں کامیاب

---

[1] مغرب میں شاہی فرمان کے لئے "ظہیر" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

وبامراد ہوکر نکلا اپنی اسلامی عربی شخصیت اور اپنے عقیدہ اور زبان، اپنی غیرت و خودداری کو برقرار رکھتے ہوئے، اس نے بیرونی سامراج کو اپنے ملک سے بے دخل کر دیا، فرانسیسی اور اسپینی ملک چھوڑ کر چلے گئے، اس طرح اس قوم نے پھر اس کا ثبوت دیا کہ وہ ہر قسم کے چیلنج اور وقت کے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، یہ اس بات کی بھی دلیل تھی کہ اسلام اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہے اور اس کے خون اور روح میں پیوست ہے اور یہ اسلام کے اولین قافلہ سالاروں، اور شہسواروں کے اخلاص کی برکت تھی جنھوں نے سب سے پہلے اس سرزمین پر قدم رکھا جنھوں نے پہلی بار بربر قوم کو عربوں کے اس خوانِ نعمت اور برکت و سعادت میں شریک کیا اور انسانیت کی دولت مشترکہ میں ان کو پورا حصہ دیا۔ اور یہ موقع ان کو حاصل ہوا کہ وہ قوت ایمانی، اسلام پر فخر و عزت کے احساس اس کے محاسن و فضائل سے آراستگی اور اللہ تعالیٰ سے تقرب میں خود عربوں سے بھی آگے نکل جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم	اے لوگو! ہم نے تمکو ایک مرد اور ایک
من ذکر وانثیٰ وجعلناکم	عورت سے پیدا کیا اور تمکو قبیلوں اور
شعوبًا وقبائل لتعارفوا	قوموں میں تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[1]	کی پہچان حاصل کرو بیشک تم میں سب سے

معزز و محترم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور لحاظ و ادب کرنے والا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں بڑی تعداد میں علماء، وزہاد، داعی الی اللہ اور صاحب دل درویش، باکمال علماء اور اہل درس اور مصنف اور صاحب قلم پیدا ہوئے اور وہ سب اسلام کے خوبصورت سانچہ میں اس طرح ڈھل گئے، جس طرح بلاد عجم کی بعض اور قومیں اسلام کے سانچے میں ڈھل گئی تھیں۔

---

[1] سورۃ الحجرات

عصرِ جدید کا نیا چیلنج

آج مغربِ اسلامی کو جو معرکہ درپیش ہے وہ اس کی تاریخ کے جنگی معرکوں سے زیادہ سخت اور سنگین ہے، وہ عہدِ آخر کے غیر ملکی سامراج اور بیرونی تسلط سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک ہے، اس لئے کہ گذشتہ معرکے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے میدانِ جنگ کی کھلی ہوئی لڑائیاں تھیں، جن میں صرف اسلحہ کا استعمال ہوتا تھا اور شجاعت و جوانمردی اور جان ومال کی قربانی فیصلہ کن طاقت تھی، اس کے مقابلہ کے لئے پوری قوم ایک فردِ واحد کی طرح اٹھ کھڑی ہوتی تھی اور اس کو کفر و اسلام اور ملکیوں اور سامراجیوں کی جنگ سمجھا جاتا تھا۔

لیکن آج کی لڑائی ایک خاموش اور ٹھنڈی لڑائی ہے، بہت عمیق اور پس پردہ یہ اسلامی طرزِ فکر اور مغربی طرزِ فکر کی (اپنے وسیع تر مفہوم میں) لڑائی ہے، یہ وہ فکری معرکہ آرائی ہے جس کا خلاصہ ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں، کہ کیا یہ مسلم اقوام یا اسلامی ممالک اسلام کو ایک ایسے دین و مذہب کی حیثیت دینے پر تیار ہوں گے جس کے اندر بنی نوعِ انسان کی فلاح و کامرانی کا پورا سامان موجود ہے، اور جو زندگی کے ہر شعبے میں واضح ہدایات دیتا ہے، ایک ایسا کامل دین جو انفرادی و اجتماعی زندگی، تہذیب و تمدن، نسلِ جدید کی تشکیل و تعمیر اور تعلیمی سیاست میں اپنا مستقل بالذات اور علیٰحدہ منصوبہ رکھتا ہے اور ہر اس مسئلہ میں جس سے اس کی روح مجروح ہوتی ہو اور زندگی میں اس کے متعین کردہ مقاصد پورے نہ ہوتے ہوں مداخلت کرنے کا حق رکھتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر احتسابِ کائنات قافلۂ انسانی کی رہنمائی و قیادت اور تمدنِ انسانی کی نگرانی اور روحِ انسانیت کی حفاظت و پاسبانی اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے؟ کیا مسلم ممالک اسلام کو ایک ابدی اور عالمگیر دین کی حیثیت سے اختیار کریں گے جو زندگی اور قوت سے بھرپور زمانہ کے ساتھ ہم آہنگ بلکہ زمانہ پر حکمراں ہو، ہر مسئلہ حل کرتا ہو بلکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا سدباب کرتا ہو اور اس کی پیش بندی اور انتظام کر دیتا ہو کہ اس کے معاشرہ میں اس قسم کے

مسائل ہی پیدا نہ ہوں اور بالادستی ہمیشہ اس کی رہے۔

یا وہ اسلام کو مجرد عقیدہ یا ایمان کی حیثیت دیں گے اور مذہب کو انسان کا پرائیویٹ معاملہ تصور کریں گے جس کا معاشرۂ انسانی، زندگی کی تشکیل، نظام تعلیم و تربیت اور نئی نسل کی نشوونما اور ذہنی ساخت و پرداخت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ قانون سازی اور زندگی کے معاملہ میں مداخلت کا اس کو کوئی حق ہے، ایک مسلمان اگر عقائد، عبادات نام و نسب قومیت، رسم و رواج خاندانی و نسلی روایات اور پیدائش و موت کے مراسم کے لحاظ سے مسلمان رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے، پلاننگ (منصوبہ بندی) اسی طرح مغربی رہے گی۔ جیسے پہلے تھی، تہذیب اپنے تمام خارجی و داخلی اور شخصی و اجتماعی مظاہر میں مغربی ہوگی، اقتدار و معیار وہی رہیں گے جن پر مغرب کے فلاسفہ و مفکرین نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہو اور جن کو مغرب میں تقدیس و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو اخلاق و معاملات وہی قابل قبول ہوں گے جو مغرب کے مادہ پرستانہ ماحول میں برتے جاتے ہیں اور جن پر مسیحیت کا برائے نام اثر ہے اور ٹکنالوجی اور اقتصادی رسہ کشی اور زور آزمائی کی مضبوط گرفت ہے۔

مغرب کی نئی ٹکنیک

ہر باخبر و دیدہ ور شخص محسوس کر سکتا ہے کہ مغرب نے اپنے طویل تجربوں سے جو اسلامی عقیدہ کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو تبدیل مذہب پر مجبور کرنے کے سلسلہ میں (جس طرح اسپین میں ہوا) اس کو حاصل ہوئے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اب اس نے ترویج عیسائیت کے محدود و تنگ خیال اور پرانے طریقۂ کار کو جو نئی نئی مشکلات کھڑی کرتا تھا، اور بعض وقت شدید ردعمل کا باعث بن جاتا تھا، بالکل خیرباد کہہ دیا ہے، اس کو چھوڑ کر اس نے اب یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی جداگانہ اسلامی شخصیت اور اس تہذیب سے محروم کر دیا جائے جو ان کے عقیدہ، قرآنی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے اور اس میں

دینی شعائر و فرائض کی ادائگی کی ہر ممکن سہولت کا خیال رکھا گیا ہے اور جو طہارت کے خاص اسلامی مفہوم کی حامل ہے۔

اسلامی تمدن کے خلاف سازش

تمدن کی جڑیں نفس انسانی اور قوم کے جذبات اور احساسات میں بڑی گہری ہوتی ہیں اور کسی ایسی قوم کو اس کے مخصوص تہذیب و تمدن سے جدا کرنے یا محروم کرنے کی کوشش (جو اس کے دین و شریعت کے سایہ میں پروان چڑھے ہوں اور برگ و بار لائے ہوں اور جن کی تشکیل و تکمیل میں دینی ذوق، دینی مزاج اور دینی رنگ کا بڑا حصّہ ہو) اسکو سرچشمہ حیات سے محروم کر دینے کے مرادف ہے اور اس کا مطلب اس قوم کو عقائد و خیالات اور دینی مراسم کے محدود دائرہ میں بند کر دینا اور اس کا رشتہ ماضی سے کاٹ دینا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس تغیر و انقلاب کا اثر اقوام عالم اور انسانی سوسائٹیوں کی زندگی پر ہمیشہ بہت گہرا پڑا اور وہ آہستہ آہستہ ان قوموں کے تہذیبی سانچہ میں ڈھل گئیں یا ان کی تہذیب کے تیز دھارے میں مل گئیں جنکی تہذیب و ثقافت سے (اس کے وسیع مفہوم میں) انھوں نے استفادہ کیا تھا، اور بالآخر وہ اس عقیدہ سے بھی دست بردار ہو گئیں جسکو ابھی تک وہ اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھیں اور اس میں انکو زیادہ دشواری پیش نہ آئی۔

نئے سوالات، نئے مسائل

تہذیب مغرب کے خطرہ پر اس قدر زور دینے اور اسلامی شخصیت اور ملت مسلمہ کے وجود پر، مغرب سے استفادہ و اقتباس کے مضر اثرات کے بار بار ذکر سے مقصود یہ نہیں ہے کہ زندگی کی وہ سہولتیں، مفید و صالح وسائل اور راحت رسانی و رفاہ عام کے وہ سامان و اسباب جو تہذیب مغرب نے فراہم کئے ہیں، قابل اجتناب ہیں اور یہ دروازہ بالکل بند کر دینا چاہیئے، اس لئے کہ یہ بات کوئی سمجھ دار آدمی (اور خاص طور پر وہ شخص جو دین کی روح اور دینی تعلیمات

سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ اسلام اس معاملہ میں ہمیشہ سے بہت روادار کشادہ قلب اور وسیع النظر ہے) کبھی نہیں کہہ سکتا، لیکن اس موقع پر مغربی تہذیب کا مفہوم و موضوع، اسباب و وسائل ایجادات و آلات اور روزمرہ زندگی کے مفید اور کارآمد تجربوں سے زیادہ وسیع و عمیق ہے، اس سے مراد وہ تمام افکار و اقدار معیار و پیمانے زندگی کو مغربی رنگ میں رنگنا، شہروں کی ہمہ گیر اور از سر نو منصوبہ بندی، نیز زندگی کے وہ آداب اور انداز و اطوار ہیں، جو اسلام کی تعلیمات اور طہارت و نظافت، اعتدال و توازن، میانہ روی و توسط کے اس کے اپنے معیار کے منافی ہیں، اور شریعت کی مقرر کردہ حدود کی پابندی پر پورے نہیں اترتے، اس مغربی طرز زندگی اور طرز معاشرت کے ساتھ ایک مسلمان کے لئے آداب شریعت کا لحاظ اور بہت سی سنتوں پہ عمل نہایت دشوار ہے، اس کی وجہ سے وہ صحیح اسلامی زندگی سے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے گزاری تھی) بہت دور ہوتا جاتا ہے، اس مغربی تہذیب و تمدّن کو اختیار کرنے کے بعد پوری قوم ایک نئی شخصیت کی حامل ہو جاتی ہے اور اس کی شناخت صرف اسلامی ناموں اور قوموں مقامی لباسوں سے ہو سکتی ہے (جن کا رواج بعض مشرقی ممالک میں ابھی تک باقی ہے) یا اس وقت اس کے مسلمان ہونیکا احساس ہوتا ہے، جب وہاں کی مسجدوں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے یا جب آپ وہاں کسی مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اس ملک کے حالات کے مطابق آپ کو نمازی نظر آتے ہیں کہیں کم اور کہیں زیادہ، ان ملکوں کا اسلام سے رشتہ عقائد و مراسم کے ایک کمزور دھاگہ سے بندھا ہوا ہوتا ہے جو خدانخواستہ کبھی ٹوٹ جائے تو ہر چیز کا خاتمہ ہے۔

صحیح اور مکمل اسلامی تہذیب کی طرف

مجھے یقین ہے کہ ایک طرف عصر جدید کی فراہم کردہ سہولتوں اور علم جدید کے بخشے ہوئے عطیوں اور دوسری طرف تہذیب اسلامی کے حسن، سادگی، سنجیدگی اور طہارت و نظافت سے خصوصی اعتناء، اسراف و تبذیر، ظاہری مظاہر اور غیر ضروری زیبائش

وآرائش سے اجتناب دونوں چیزوں کو بآسانی جمع کرنا ممکن ہے لیکن ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسلامی حکومتیں یا اسلامی معاشرہ ایک جدید خود کفیل اور مستقل بالذات پلاننگ اور منصوبہ بندی کے لئے اپنے کو آمادہ کرے جو اندھی تقلید، بلا سوچے سمجھے عجلت کے ساتھ اقدام اور احساس کمتری سے آزاد اور پاک ہو اور اس کے پاس ذہانت، آزادانہ فکر و بصیرت خودنگری و خود اعتمادی اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کی بالادستی اور برتری پر یقین کامل کا سرمایہ ہو اس شکل میں یہ منصوبہ بندی اور معاشرہ کی تعمیر نو کا خاکہ اپنے سابق اور مستعار نقشہ سے زیادہ جاذب نظر ولآویز اور زیادہ لائق احترام ہوگا اور یہ منصوبہ بندی اسلامی شہر نہ صرف سیاحوں کا مرکز ہونگے بلکہ اس سے بڑی تعداد میں اہل علم ان کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، اور شاید تہذیب کا یہ حسین وجمیل نمونہ یا طرز نو متعدد مغربی ممالک کو اس پر آمادہ کر سکے گا کہ وہ اس کے بعض پہلوؤں کی اپنے یہاں نقل کریں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں یا کم از کم اس پر غور کرنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور ہوں جیسا کہ ایک زمانہ میں اندلس کی اسلامی تہذیب کیساتھ پیش آیا تھا اور مغربی تہذیب کے فلسفہ وادب پر اس نے گہرے نقوش چھوڑے تھے۔

تہذیب مغرب کا ناقص ایڈیشن

لیکن افسوس کی بات ہے کہ کسی مشرقی مسلم ملک اور کسی مسلم حکومت کو اس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ محض تجربہ کے طور پر اس کی کوشش کرتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ممالک آج مغربی تہذیب کا ایک ناقص وناتمام ایڈیشن یا اس کی ایک ایسی دھندلی اور مٹی ہوئی تصویر ہیں، جو مغربیوں کے لئے کشش نہیں رکھتی اور ان کے اندر اسے دیکھ کر احترام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا جب وہ ان شہروں میں سیاحت وتفریح کی غرض سے وارد ہوتے ہیں تو اس نقالی یا "حسن مستعار" کو دیکھ کر کہتے ہیں (بضاعتنا ردت الینا) یہ تو ہمارا ہی سامان ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔

تعلیم وثقافت کی نئی قومی پالیسی

اس سے زیادہ خطرہ کی بات تعلیم وثقافت اور اعلام (اطلاع وابلاغ و قومی رہنمائی) کی نئی قومی پالیسی ہے جس سے زیادہ طاقتور، موثر اور زود اثر نسخہ (بالخصوص نئی نسل کی تشکیل جدید میں) اب تک دریافت نہیں ہوا، وہ ایک ہی وقت میں دایہ بھی ہے، مکتب کا استاد بھی، معلم ومربی بھی، اور زعیم ورہنما بھی وہ ایک مخصوص ایمان وعقیدہ اور افکار واقدار پر ایمان رکھنے والی قوم کو آسانی کے ساتھ تراش خراش کے ایک نئی قوم بنا سکتا ہے، جو اپنے آباؤ اجداد سے صرف خون ونسل کا یا زبان کا تعلق رکھتی ہے، بلکہ اس کو ایک ایسی باغی قوم بنا دیتا ہے جو ان عقائد، مسلّمات ومبادی اور ان اخلاقی اقدار سے جنگ کرنا، اس کو تباہ وبرباد کرنا اس کے ملبہ کو راستہ سے ہٹانا اور باقی ماندہ آثار کو مٹانا اپنا فرض سمجھتی ہے خواہ اس تخریبی اور سلبی عمل پر اس کی ساری توانائیاں ذہانتیں اور صلاحیتیں صرف ہو جائیں اور پورا ملک اور معاشرہ ایک خونریز خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے جو بعض اوقات بیرونی حملہ اور غیر ملکی اقتدار سے کہیں بدتر اور کہیں زیادہ طویل ہوتی ہے۔

یہ معنوی اور اخلاقی نسل کشی کسی قوم وملّت کے لئے جسمانی، نسل کشی (Genocide) سے زیادہ خطرناک ہے۔ "نسلی قتل عام"، کے وہ قدیم ترین علمبردار جو اپنے وحشیانہ سلوک اور درندگی وسفاکی میں ضرب المثل ہیں، اگر اس راز کو سمجھتے اور یہ جدید وسائل استعمال کرتے تو اس قدر ہرگز بدنام نہ ہوتے بلکہ شاید تاریخ ان کو بہت اچھے الفاظ سے یاد کرتی اور ان کو خلق پرور، علم نواز اور انسانیت دوست کہا جاتا۔

عالمِ اسلام کی موجودہ قیادت

عالم اسلام کی قیادتوں کی کہانی ادھر نصف صدی کے اندر در اصل مسلم

اقوام کے اسلامی و دینی مزاج سے گلو خلاصی کی اور ہر ممکن ذریعہ سے اس کی سرکوبی و بیخ کنی کی کہانی یا تاریخ ہے، یہ خون آشام جنگ اکثر اسلامی ممالک میں ناکامی و نامرادی پر ختم ہوئی لیکن اس مدت میں اس نے ان قائدین کے بہترین قوائے ذہنی و عملی اور ان اقوام کی ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کو بیدردی کے ساتھ نچوڑ لیا اور اس کا کوئی فائدہ ان کو نہ پہنچا اگر حقیقت کے اعتراف اور قوم کی نبض شناسی کی بنیاد پر اس سے بہت تھوڑی کوشش کیجاتی تو قوم و ملک کو اس سے کہیں زیادہ فائدہ پہونچتا، اور ان قائدین کے وقت اور صلاحیت کا بڑا حصہ ضائع ہونے سے محفوظ رہتا۔

"خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"

الجزائر کی جنگ آزادی (جس میں جوش ایمانی اور غیرملی کا پورا پورا استعمال ہوا) نیز فرماں روائے مغرب کا امن مارچ (Gren march) جو نومبر ۱۹۷۶ء میں بڑی حکمت و قابلیت کے ساتھ شروع ہوا اور اس کی کامیابی کی صدائے بازگشت ساری دنیا میں سنی گئی اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ یہ امت صرف اس بات پر لبیک کہتی ہے اور اس تحریک کے لئے سرفروشی و جان سپاری کے لئے آمادہ ہوتی ہے، جو دینی رنگ کی حامل ہو جو اس کے دل کے مضراب کو چھیڑ دے اور اس کے سوئے ہوئے ایمانی جذبات کو بیدار کردے، وہ صرف ایمان و عقیدہ اور شوق و محبت کی زبان سمجھتی ہے، جس کو عقل سے پہلے اس کا دل سنتا ہے یہ تجربہ عالم اسلام کے مشرق و مغرب میں دسیوں بار کیا جا چکا ہے، اس لئے عقل عملی اور فطرت سلیم بلکہ عاقلانہ سیاست اور حکیمانہ قیادت کا بھی تقاضا ہے کہ یہ قیادتیں ان اقوام سے استفادہ کا یہ مختصر اور آسان طریقہ چھوڑ کر وہ پیچیدہ راستے اختیار نہ کریں جن کا ساتھ یہ قومیں بددلی سے اور مجبوری کی وجہ سے دیتی ہیں اور ان کے مزاج کے ساتھ طاقت آزمائی اور اس کو بدلنے کی سعی لاحاصل میں ان قیادتوں اور خود ان اقوام کا بڑا قیمتی وقت برباد ہوتا ہے

اور وہ کوششیں "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کے مرادف ثابت ہوتی ہیں، اس لئے کہ ع

"خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"

اور جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔

ومکلّف الایام ضد طباعہا متطلب فی الماء جذوۃ نار[1]

مجرمانہ سستی اور غیر ضروری رواداری

ان قیادتوں میں وہ قیادتیں بھی ہیں جن کے دل میں اسلام کا احترام ہے، اور وہ دائرۂ اختیار اور دائرۂ اثر میں اسلامی احکام نافذ کرنا چاہتی ہیں اور ان کو اپنے عوام کا اعتماد اور احترام بھی حاصل ہے لیکن وہ سستی اور غفلت، کاموں کو ملتوی کرنے کی عادت، ارادہ اور فیصلہ کی کمزوری، اور اسلام دشمن عنصر کے ساتھ غیر ضروری رواداری کا شکار ہیں وہ ان عناصر کو اپنے تعلیمی نظام، اعلام (Information) صحافت اور پریس میں کام کرنے کا موقع دیتی ہیں اور اس کا نتیجہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عناصر ان کمزور قیادتوں کو راستے سے ہٹا کر اقتدار پر پہلی فرصت میں قابض ہونا چاہتے ہیں، اور رفتہ رفتہ ملک کے پورے انتظامی ڈھانچہ پر اپنی گرفت مستحکم کر لیتے ہیں، مسلم اقوام ان بے دین، لامذہب اور کمیونسٹ طالع آزماؤں کے رحم وکرم پر ہوتی ہے اور ان مقاصد اور اس طرز زندگی کی طرف اس کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا جاتا ہے جن سے ان کا کوئی رشتہ نہیں، وہ سب کچھ دیکھتی ہیں، لیکن کچھ کر نہیں سکتی ہیں۔

یہ صرف ان مسلم قائدین کی سستی، سہل انگاری، مواقع ضائع کرنیکی عادت اور اپنے دشمنوں اور اسلام کے دشمنوں کو بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرنے کا مزاج ہے۔ جس کا

---

[1] زمانہ کو اس کے مزاج اور رفتار کے خلاف کسی چیز پر مجبور کرنا ایسا ہے جیسے کوئی پانی میں آگ کا شعلہ تلاش کرے

خمیازہ بھی خود ان ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ مغرب اسلامی ان تلخ و سنگین تجربوں سے جو ممالک اسلامیہ کی تاریخ میں بار بار کئے گئے اور خاص طور پر ماضی قریب کے ان واقعات سے جو روز روشن کی طرح عیاں ہیں، پورا فائدہ اٹھائے گا اور وہ مہلک غلطی نہ کرے گا، اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

السَّعِيدُ مَن وعظ بغيره خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے سبق حاصل کرے

دگر دانائے راز آید کہ ناید

آج مسلم ممالک اور مسلم اقوام کو ان سر پر منڈلاتے ہوئے مہیب خطروں سے اگر کوئی بچا سکتا ہے تو وہ باہمت، عالی حوصلہ اور ارجمند و اقبال مند قائد و رہنما ہے جو اپنے عقیدہ اور اصول کی خاطر اپنی لذت و راحت کو قربان کر سکے اور نفس کے تمام مرغوبات (مثلاً آرام و آسائش، مدح و توصیف، ملک و مال اور جاہ و اقتدار) پر غالب آسکے اور واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور اللہ کے مظلوم و مغلوب بندوں کی انسان نما درندوں سے گلوخلاصی اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کی پاسبانی، ان کے مستقبل کی ضمانت، خدا کی خوشنودی اور رضا اور جماعتِ مجاہدین و مجددین میں شمولیت سے بڑھ کر عزت اور لذت کسی اور چیز میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس طرح کے کارگزار و وفا شعار بندوں کو جو کسی آڑے وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے پشت پناہ ہوتے ہیں عزت و سرخروئی قبولیت و مقبولیت، فیضِ عام اور نقش دوام، دلوں پر حکمرانی اور محبوبیت و نیکنامی کا وہ انعام عظیم اور "حیات جاودانی" عطا فرماتا ہے، جس کے سامنے دولت دنیا کے پجاریوں جھوٹی اور وقتی شہرت کے طلب گاروں اور مصنوعی عزت کے خریداروں کی یہ "متاع فانی"

کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

مغرب اسلامی کے ان تمام بھائیوں کو جنھوں نے انتہائی خلوص وگرم جوشی کے ساتھ ہمارا ہر جگہ استقبال کیا اور اپنی اسلامی اخوت اور روایتی عربی مہمان نوازی کا بڑھ چڑھ کر مظاہرہ کیا، ہمارا سلام شوق پہنچے اس لئے کہ یہ چند دن جو ہم نے ان کے جوار میں اور ان کے خوبصورت سرسبز وشاداب ملک میں گزارے، عمر کے ان حسین وخوشگوار دنوں میں ہیں جو انسان کے حافظہ سے کبھی محو نہیں ہوتے۔